تضاد

آپ اس تضاد کی کیا توجیہ کرتے ہیں کہ آپ فی الحقیقت ایسے دور میں رہ رہے ہیں جو حسین رضی اللہ عنہ کی بصیرت چاہتا ہے، حسین رضی اللہ عنہ کا ایثار چاہتا ہے اور کھل کر کہیے کہ حسین رضی اللہ عنہ کی جانبازی چاہتا ہے۔ آپ کے گردوپیش برائیاں ہیں، نئے نئے فتنے ہیں، تقویٰ وصلاح کے معیاروں کو چھلنی کیا جا رہا ہے، اسلامی قدروں کو روندا اور پامال کیا جا رہا ہے۔ ایسے ایسے نظریات کی اشاعت ہو رہی ہے جس سے اسلامی تصورِ حیات بالکل پامال ہو جاتا ہے۔ مزید برآں اقتدار واختیار کی باگ ایسے ہاتھوں میں ہے جو یقیناً حسین رضی اللہ عنہ کے ہاتھ نہیں مگر اس کے باوجود آپ ہیں کہ مطمئن ہیں۔ آپ کے دل میں دین کے لیے کوئی خلش نہیں۔ آپ ماحول سے قطعاً شاکی نہیں بلکہ اس دَور کے فتنوں کے ساتھ سازگاری اور تعاون برابر جاری ہے۔ اسے آپ کیا کہیں گے اور اگر قیامت کے روز امام شہید نے اپنے ان عقیدت مندوں کو گریبان سے پکڑ کر اس دوعملی پر یہ پوچھ لیا کہ اس مذاق کے کیا معنی تھے تو جواب کیا ہوگا؟

(مولانا محمد حنیف ندوی رحمہ اللہ)

شہادتِ حسین رضی اللہ عنہ کے غور طلب پہلو

شہادت حسین رضی اللہ عنہ پر اس فراوانی سے آنسو بہائے گئے ہیں کہ دجلہ وفرات کی روانیاں تھم گئی ہیں۔ ماتم وگریہ کی ہر ہر صورت کو اس طرح آزمایا گیا ہے کہ اب اس میں کوئی جدت نہیں رہی۔ ہر لکھنے والے قلم اور بولنے والی زبان نے اس پر اس طرح حاشیہ آرائی وفسانہ طرازی فرمائی ہے کہ حقیقت وفسانہ کے درمیان خط امتیاز کھینچنا مشکل ہو گیا ہے۔ لہٰذا ہم اس سانحے پر ایک قطرہ آنسو کا بہائے بغیر اور اس کی فسانہ طرازیوں میں سر مو اضافہ کیے بغیر ایک حقیقت نگر اور عبرت پذیر انسان کی حیثیت سے اس واقعہ کے اُن پہلوؤں سے متعلق غور کرنا چاہتے ہیں جو عام نظروں سے اوجھل ہیں اور مسلمانوں کو دعوت دینا چاہتے ہیں کہ وہ بھی اس پر سوچیں۔ ہمیں حضرت امام حسین رضی اللہ عنہ کی جلالت قدر کا پورا پورا احساس ہے۔ ہم ان کی مظلومیت کے معترف ہیں اور ان کی شہادت کے قائل۔ سردست ہم تاریخ کی مختلف فیہ کڑیوں کو نہیں چھیڑنا چاہتے۔ ہم اس پر بحث نہیں کرنا چاہتے کہ یہ جنگ کفر واسلام کی جنگ تھی یا دو مسلمانوں کی جنگ! جن کو حالات کی اضطراری چال نے لڑنے پر مجبور کر دیا۔ ہم اس سوال کو بھی درمیان میں نہیں لانا چاہتے کہ حضرت امام حسین رضی اللہ عنہ کے سامنے اسلامی حکومت سے متعلق کوئی مخصوص نظریہ اور تصور تھا یا نہیں جو امام حسین رضی اللہ عنہ کو معلوم نہیں تھا، یا جسے حبر اُمت حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ نہیں جانتے تھے (جنھوں نے حضرت امام کو کوفہ کی طرف روانہ ہونے سے روکا) اور جو اُس وقت کے دوسرے صحابہ اور جلیل القدر تابعین کی چشم بصیرت سے مخفی تھا۔ ہم اس تلخ پہلو سے بھی تعرض نہیں کرنا چاہتے کہ شہادتِ حسین رضی اللہ عنہ کے بعد اس جنگ کو باقی امت نے کیوں جاری نہ رکھا۔ ہم اس ساری داستان کو صرف اس نقطہ پر مرکوز رکھنا چاہتے ہیں کہ امام حسین رضی اللہ عنہ کی شہادت سے اسلامی ذہن وفکر نے جو نتائج اخذ کیے وہ بلا شبہ اتنے عمدہ، اتنے صحت مند اور روشن ہیں کہ ان کی وجہ سے اسلامی سیاست کی بنیادیں نکھر گئیں، یعنی اس شہادت سے پہلی دفعہ اُمت میں اس احساس نے کروٹ لی کہ تنظیمی صلاحیتوں کے ساتھ ساتھ، اربابِ حکومت کے لیے یہ بھی ضروری ہے کہ وہ متقی وپاکباز ہوں۔ ان کا دینی پایہ اور دینی بصیرت بلند ہو۔ کیونکہ وہ صرف حاکم ہی نہیں ہیں بلکہ ایک دین کے مبلغ بھی ہیں۔ چند بنیادی اور اصولی قدروں کے داعی بھی ہیں۔ اس سے پہلے بھی یہ احساس موجود تھا لیکن اتنا اجلا اور واضح نہیں تھا۔ تاریخ کا یہ تجربہ اگر صحیح ہے اور یقیناً صحیح ہے، تو پھر بحث کے وہ پہلو سامنے آئیں گے جن کی طرف ہم نے اشارہ کیا ہے کہ کیا یہ تقویٰ وصلاح اور فسق وفجور کے درمیان آخری جنگ تھی؟ کیا اس کے بعد کبھی فاسق وفاجر حکومتیں برسر اقتدار نہیں آئیں گی۔

اگر عقیدہ یہ ہے کہ ہر دور میں تاریک حکومت واقتدار کی مسندوں پر نا اہلوں اور فاسقوں کو بٹھا سکتی ہے تو پھر یہ سوال دل میں چٹکی لے گا کہ ایسے حالات میں امت کا فرض کیا ہے؟ کیا حسین کی سنت کا احیاء یا صرف سینہ کوبی وماتم گساری؟ اس پر سنجیدگی سے غور فرمایئے کہ آپ کا یہ حزن وملال، یہ اندوہ وغم، یہ نالہ وشیون، یہ رونا اور آہ وبکا کی محفلیں بپا کرنا۔ آخر کیوں؟ کس لیے؟ کوئی اُصول آپ کے سامنے ہے؟ (مولانا محمد حنیف ندوی رحمہ اللہ)



بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

واعتصموا بحبل اللہ جمیعا ولا تفرقوا

مسلک اہلحدیث کا داعی و ترجمان

ہفت روزہ

الاعتصام

لاہور

یکے از مطبوعات دار الدعوۃ السلفیۃ

بانی: مولانا محمد عطاء اللہ حنیف رحمہ اللہ

سرپرست: مولانا ابوبکر صدیق السلفی

15 محرم الحرام 1434ھ جمعة المبارک 30 نومبر تا 06 دسمبر 2012ء

شمارہ 46 جلد 64

بدل اشتراک

فی پرچہ	:	12/-	روپے
سالانہ	:	500/-	روپے
بیرونی ممالک سے	:	200/-	ریال
		60/-	ڈالر امریکی

خط کتابت کے لیے	:	ہفت روزہ الاعتصام، 31 شیش محل روڈ، لاہور
کرنٹ اکاؤنٹ نمبر	:	ABL 2466-4 بلال گنج برانچ لاہور
فون نمبر	:	042-3735 4406
فیکس نمبر	:	042-37229802
رجسٹرڈ نمبر	:	CPL : 12

E-Mail: al.aitisam@gmail.com

پرنٹر: پرنٹ یارڈ پرنٹرز، لاہور۔ ناشر: حافظ احمد شاکر، مقام اشاعت: 31 شیش محل روڈ لاہور 54000

اداریہ

دہشت گرد ..... کون؟

حافظ احمد شاکر

۹/۱۱ کے بعد دنیا بھر میں عموماً، ممالک اسلامیہ میں خصوصاً اور ایٹمی طاقت ہونے کے جرم میں خاص طور پاکستان میں لفظ دہشت گرد زبان زد عام ہوکر ایک گالی کے طور پر ہر اس فرد یا واقعے پر بولا جانے لگا جس کی تہہ در تہہ میں کوئی ''اور'' ہوتا ہے اور بہ ظاہر اس فرد کی نشاندہی یا اس واقعہ کی منصفانہ ہونے والی تفتیش کو منظر عام پر نہ لائے جانے کو ملک کے وسیع تر مفاد کے لیے ضروری قرار دے دیا جائے تو اس موہوم فرد کو دہشت گرد اور واقعہ کو دہشت گردی قرار دے کر ''کسی نہ کسی'' کی طرف سے ذمہ داری قبول کرنے کو بھی میڈیا پر نشر کیا جانے لگا۔

''چور مچائے شور'' یہ محاورہ تو اردو ادب کا حصہ ہے لیکن اس کا سچ مچ صحیح ہونا ۹/۱۱ کے بعد عالم پر آشکار ہو گیا۔

اب یہ بات ڈھکی چھپی اس لیے نہیں رہی کہ ان گنت مقالات و مضامین میں محققین نے یہ بات واضح کر دی ہے کہ ۹/۱۱ کے ڈرامہ کی اصل حقیقت کیا تھی۔ ان مقالات و مضامین نے اس ڈرامے کا پس منظر، پیش منظر اور تہہ منظر کو یوں بیان کر دیا ہے کہ اب کچھ بھی بات راز نہیں رہی۔

طاغوت بإوّلا تو شکست روس کے بعد ہی ہوا جس کا اظہار اس نے نیو ورلڈ آرڈر کے اجراء سے کر دیا لیکن درحقیقت سقوطِ مشرقی پاکستان کے بعد عالم اسلام کے بارے میں عموماً اور وطن عزیز کے لیے خصوصاً اس کی دسیسہ کاریاں اور تخریبی پالیسیاں اس کے مجموعی رویے سے آشکار ہونے لگی تھیں۔ کردوں کی عراق سے مخاصمت، عراق ایران کی ۸ سالہ طویل اور تقریباً بے مقصد جنگ یہ سب اس کے بغض مسلم کے مظاہر تھے، لیکن جب پاکستان روس کے راستے کی دیوار بننے میں کامیاب ہونے لگا تو امریکا دنیا پہ اپنی حکمرانی کا خواب دیکھنے لگا جس کے تعبیر اس کو اس جنگ میں نظر آنے گی تو پھر پاکستان کے لیے اس کی ''ہمدردی'' اُبالا کھانے لگی، وہ دور کھڑا جلتے روس کا تماشا دیکھنے لگا جب روس ڈھیر ہو گیا تو اس کی باچھیں کھل گئیں اور دنیا پر حکمرانی کی دیرینہ آرزو اچھل کر اس کے حلق تک آ گئی اور نیو ورلڈ آرڈر جاری کر کے اس نے دنیا کو اپنی حکمرانی کا پیغام دے دیا اور ہم سمجھتے ہیں کہ ۹/۱۱ کا واقعہ مسلمانوں پر وحشت طاری کرنے کا بہانہ تھا جس کا عنوان اس نے اسامہ نامی ایک ہیولی کو بنایا تھا اور اس ہیولی ہی کی آڑ میں اس نے مسلمانوں کو نشانے پہ رکھ لیا۔ غلطی کے امکان کے ساتھ ہم سمجھتے ہیں کہ اس کا اصل ہدف تو پاکستان ہی تھا لیکن اس نے تجربہ افغانستان سے شروع کیا جواب اس کے گلے کی پھانس بن چکا ہے۔ کیونکہ معلوم ہوتا ہے کہ اس نے ہوم ورک نہیں کیا تھا، یعنی اس نے نہ افغانستان کی تاریخ پڑھی تھی اور نہ ہی اس نے افغانوں کی فطرت کا تجزیہ کیا کہ ان کوہستانیوں سے جو ٹکرایا وہ ناکام ہی ہوا۔ لیکن وطن عزیز کو کمزور کرنے کی اس کی سازشیں مختلف شکلوں میں اگرچہ اب تک مسلسل جاری تو تھیں لیکن افغانستان میں نظر آتی شکست نے اب اس کو پاگل کر دیا ہے۔ اس لیے ملک بھر میں خودکش حملے، بم دھماکے اور تخریب کاریاں اس ہی کی شہہ پر ہو رہی ہیں۔ ہمیشہ کی طرح یہاں بھی اس نے اپنے ''مخلصین'' ڈھونڈ رکھے ہیں جو وفاداری بہ شرط استواری کے اصول پر اپنی اپنی ڈیوٹیاں بھی نباہ رہے ہیں اور صلے بھی پا رہے ہیں۔

اس کا سب سے خطرناک طریقہ واردات مذہبی منافرت کا ہے جو ہمیں گھن کی طرح کھا رہا ہے۔ رائے کا اختلاف تاریخ کا حصہ ہے اور جس کا ہر ایک کو حق ہے۔ لیکن اختلاف کو جب مخالفت بنا لیا جائے تو پھر اصلاح کے امکانات کم ہونا شروع ہو جاتے ہیں۔ سوائے جاہلوں، آلہ کاروں اور خود

غرضوں کے فقہی اختلافات پر قتل وغارت کا کوئی مسلمان سوچ ہی نہیں سکتا۔ یہ مرحلہ اس وقت آتا ہے جب ازلی دشمن یعنی شیطان ہر ایک کو یہ باور کراتا ہے اوراس کو ڈٹ جانے کی انگیخت دیتا ہے کہ صرف تم ہی حق پر ہو باقی سب باطل۔ اپنے حق پر ہونے کا نام استقامت بھی رکھا جا سکتا ہے لیکن اپنے سوا ہر دوسرے کو باطل کہا جانے لگے تو اس کو صرف جہالت کہا جا سکتا ہے یا پھر ڈھٹائی۔ خاندانوں، مسالک اور ممالک میں قتال وجدال کے لیے شیطان یہی حربہ اختیار کرتا ہے اگر غور کیا جائے بلکہ غور کرنا اور سوچنا چاہیے کہ ایسے حربے اب کون استعمال کر رہا اور کن راستوں اور واسطوں سے کر رہا ہے کہ یہ بات اب کوئی راز نہیں رہی، خصوصاً ان کو سوچنا چاہیے جو اس کے بھرے میں آ کر بہک جاتے اور دشمن کے ہتھے چڑھ کر اس کے آلہ کار بن جاتے ہیں۔ضرورت اس بات کی ہے کہ ہم اپنے دشمن کو پہچانیں، اس کی ترغیبات سے بے نیاز ہو جائیں اور ترہیبات کو خاطر میں نہ لائیں۔ شیعہ سنی تاریخ کا تسلسل ہیں ان کی برداشت بھی ہمیشہ تاریخ کا حصہ رہی اور ان کے اتفاق واتحاد کے مظاہر سے بھی تاریخ بھری پڑی ہے کہ انھوں نے مختلف فیہ مسائل پر افہام وتفہیم کا رویہ رکھا اور قرونِ اولیٰ کے ائمہ کرام، علمائے عظام اور عام مسلمانوں نے باہمی احترام ومحبت کی فضا سے ماحول کو ہمیشہ خوشگوار رکھا۔ باقی رہی مذہب کے نام پر قتل وغارت اس کی کوئی فقہ تائید تو کیا اجازت بھی نہیں دیتی اور نہ ہی کوئی مسلمان اس کا ارتکاب کر سکتا ہے۔ یہ سب کیا دھرا اسی مسلم دشمن بتِ کافر کا ہے جو ہمیں باہم لڑا کر ٹکڑے ٹکڑے کرنا اور ہم پر اپنے خونیں پنجے گاڑنا چاہتا ہے۔

اب رہ گئی یہ بات کہ یہ دھماکے، خودکش حملے، یعنی یہ دہشت گردی کون کرواتا ہے تو اس کے لیے کسی لمبے چوڑے علم کی ضرورت نہیں کیونکہ سلیم الفطرت عقل یہ راہنمائی کرتی ہے کہ

- دنیا بھر کے مسلم ممالک کو جس نے نشانے پر رکھا ہوا ہے، یعنی جہاں ...... الجزائر کی طرح ...... مسلمان جمہوری طریقے پر غالب آ جاتے ہیں وہ بھی اس کو برداشت نہیں اور ...... لیبیا، سعودی عرب اور دیگر ممالک اسلامیہ کی طرح ...... جہاں عوام چین کی نیند سوتے ہیں، معاشی طور پر مطمئن اور معاشرتی طور پر پرسکون ہیں وہ بھی اس کو برداشت نہیں بلکہ ہر مسلمان ملک میں فحش کی اشاعت، بدامنی، انتشار، معاشی ابتری اور معاشرتی ہلچل اس کے مقاصد سیاست میں سے ہوں کیا اس سے بڑا دہشت گرد کوئی اور ہو سکتا ہے۔
- جس قوم نے دھن، دولت اور دھونس کی بنیاد پر ایک ناجائز مملکت قائم کر رکھی ہو اور اس زمین ...... فلسطین ...... کے اصلی مالکوں اور باسیوں پر صرف اپنے تغلب کے لیے جو ناجائز حکومت نصف صدی سے نہتے جوانوں، معصوم بچوں، بے گناہ خواتین اور معذور بوڑھوں پر ظلم وستم کر رہی ہو اور اس کی آتش تعدی ٹھنڈی ہی نہ ہو رہی ہو، اس کو دہشت گرد کہنا کیا خلافِ واقعہ ہے؟
- جو راجدھانی ۶۴ برس سے نہتے کشمیری مسلمانوں پر ظلم کے پہاڑ توڑ رہی ہے اور نام نہاد سب سے بڑی جمہوریت میں مسلم اقلیت کو تہہ وتیغ کر رہی ہو اور دیگر اقلیتوں پر ظلم کے اژدھے کا پھن پھیلا رکھا ہے کیا وہ دہشت گرد نہیں؟

تو وطن عزیز میں امن وامان کی غارتگری کو اس مہذب شیشے سے دیکھیں تو بہ خوبی نظر آ جائے گا کہ دہشت گرد کون ہے اور امن کا پرچار کر کون؟ اسلام اور مسلمان کے تو نام ہی سے الحمد للہ امن وسلامتی ٹپکتی ہے۔ مسلمان دہشت گرد کیسے ہو سکتا ہے؟ جس طرح کوئی مسلمان دہشت گرد نہیں ہو سکتا اسی طرح دینی غیرت سے عاری اور حرمت رسول پر جان کی قربانی سے پہلوتہی کرنے والا بھی مسلمان نہیں ہو سکتا۔

نہ جب تک کٹ مروں میں خواجہ یثرب کی حرمت پر
خدا شاہد ہے کامل میرا ایماں ہو نہیں سکتا

درس قرآن

قسط نمبر ۴۹

تفسیر سورۂ یسٓ

مولانا ارشاد الحق اثری حفظہ اللہ

کفار مکہ نے رسول اللہ ﷺ سے کہا: جو بکری مر جاتی ہے اسے مارنے والا کون ہے؟ آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا: اللہ۔ انھوں نے کہا جو تم اپنے ہاتھ سے ذبح کر دیتے ہو وہ حلال اور جسے اللہ تعالیٰ مار دے وہ حرام، یوں تو تم اللہ سے بہتر ہوئے۔ اس پر یہ آیت کریمہ نازل ہوئی:

﴿وَلَا تَأْكُلُوا مِمَّا لَمْ يُذْكَرِ اسْمُ اللّٰهِ عَلَيْهِ وَإِنَّهُ لَفِسْقٌ وَإِنَّ الشَّيٰطِيْنَ لَيُوْحُوْنَ إِلٰى أَوْلِيٰٓئِهِمْ لِيُجَادِلُوْكُمْ وَإِنْ أَطَعْتُمُوْهُمْ إِنَّكُمْ لَمُشْرِكُوْنَ﴾ [الأنعام: ۱۲۱]

''اور اس میں سے مت کھاؤ جس پر اللہ کا نام نہیں لیا گیا اور بلاشبہ یہ یقیناً سراسر نافرمانی ہے اور بے شک شیطان اپنے دوستوں کے دلوں میں ضرور باتیں ڈالتے ہیں، تاکہ تم سے جھگڑا کریں اور اگر تم نے ان کا کہنا مان لیا تو بلاشبہ تم یقیناً مشرک ہو۔''

جس مردہ کو اللہ نے حرام ٹھہرایا ہے شیطان کے بہلاوے پر اسے حلال سمجھنا اور کھانا شرک ہے۔ اس لیے کسی کے سامنے سجدہ ریز ہونا، یا مافوق الاسباب اللہ کے علاوہ کسی کو پکارنا ہی شرک اور شیطان کی عبادت نہیں بلکہ اللہ تبارک وتعالیٰ کے حکم کے مقابلے میں کسی کی اطاعت کرنا بھی شرک ہے اور اسے معبود بنانا ہے۔ عدی بن حاتم عیسائی تھا، مسلمان ہوا، مدینہ طیبہ پہنچا، رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوا تو آپ ﷺ یہ آیت تلاوت فرما رہے تھے:

﴿اِتَّخَذُوْٓا أَحْبَارَهُمْ وَرُهْبَانَهُمْ أَرْبَابًا مِّنْ دُوْنِ اللّٰهِ وَالْمَسِيْحَ ابْنَ مَرْيَمَ وَمَآ أُمِرُوْٓا إِلَّا لِيَعْبُدُوْٓا إِلٰهًا وَّاحِدًا لَآ إِلٰهَ إِلَّا هُوَ سُبْحٰنَهٗ عَمَّا يُشْرِكُوْنَ﴾ [التوبة: ۳۱]

''انھوں نے اپنے عالموں اور اپنے درویشوں کو اللہ کے سوا رب بنا لیا اور مسیح ابن مریم کو بھی، حالانکہ انھیں اس کے سوا حکم نہیں دیا گیا تھا کہ ایک معبود کی عبادت کریں، کوئی معبود نہیں مگر وہی، وہ اس سے پاک ہے جو وہ شریک بناتے ہیں۔''

عدی بن حاتم نے یہ آیت سنی تو عرض کی کہ وہ تو اپنے عالموں اور درویشوں کی عبادت نہیں کرتے۔ آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا:

((بلى إنهم حرموا عليهم الحلال وأحلوا لهم الحرام فاتبعوهم فذلك عبادتهم إياهم .))

(أحمد، ترمذي)

''کیوں نہیں، انھوں نے ان پر حلال کو حرام اور حرام کو حلال ٹھہرایا تو انھوں نے ان کی اتباع کی یہی ان کی عبادت ہے۔''

یہ آیت اور حدیث بھی واضح دلیل ہے کہ اللہ کے حکم کے مقابلے میں کوئی حکم دینا اور اسے واجب الاطاعت سمجھنا عبادت ہے اور وہ حکم دینے والا اطاعت گزاروں کا معبود اور رب ہے اور یہ شرک ہے۔ اس آیت سے پہلے اہل کتاب سے قتال کے حکم کا سبب بھی پیش نگاہ رہے تو اس کو سمجھنے میں مزید مدد ملتی ہے۔ چنانچہ فرمایا گیا ہے:

﴿قَاتِلُوا الَّذِيْنَ لَا يُؤْمِنُوْنَ بِاللّٰهِ وَلَا بِالْيَوْمِ الْاٰخِرِ وَلَا يُحَرِّمُوْنَ مَا حَرَّمَ اللّٰهُ وَرَسُوْلُهٗ وَلَا يَدِيْنُوْنَ دِيْنَ الْحَقِّ مِنَ الَّذِيْنَ أُوْتُوا الْكِتٰبَ حَتّٰى يُعْطُوا الْجِزْيَةَ عَنْ يَّدٍ وَّهُمْ صٰغِرُوْنَ﴾ [التوبة: ۲۹]

''لڑو ان لوگوں سے جو نہ اللہ پر ایمان رکھتے ہیں اور نہ یومِ آخرت پر اور نہ ان چیزوں کو حرام سمجھتے ہیں جو اللہ اور اس کے رسول نے حرام کی ہیں اور نہ دین حق کو اختیار کرتے ہیں

ان لوگوں میں سے جنھیں کتاب دی گئی ہے، یہاں تک کہ وہ ہاتھ سے جزیہ دیں اور وہ حقیر ہوں۔''

حافظ ابن کثیر رحمہ اللہ نے فرمایا ہے کہ یہ پہلی آیت ہے جس میں اہل کتاب سے قتال کا حکم ہے۔ رسول اللہ ﷺ، جو سب انبیاء کے سردار، سب سے افضل اور سب سے اکمل ہیں، کی تکذیب تمام رسولوں کی تکذیب ہے۔ ان کے ایمان کا کوئی اعتبار نہیں، نہ اللہ پر اور نہ ہی قیامت پر۔ ان کا جرم یہ بھی ہے کہ وہ حکم الٰہی کے پابند نہیں ہیں۔ اللہ اور اس کے رسول ﷺ نے جن اشیاء کو حرام قرار دیا ہے وہ اس پر ہی اکتفا نہیں کرتے بلکہ یہ اتھارٹی انھوں نے اپنے احبار ورہبان کو دے رکھی ہے۔ یوں اللہ کے ساتھ تحریم وتحلیل میں کسی اور کو شریک ٹھہرانا شرک ہے اور اللہ کے حکم کے ساتھ کسی اور کے حکم کی بالاستقلال پابندی اور اطاعت بھی شرک ہے۔ یہی وجہ ہے کہ اہل عرب یا منافقین اپنے معاملات، عدم ایمان کی بنا پر یا اللہ کے حکم سے بچنے کے لیے، عرب کے کاہنوں، جادوگروں اور یہود کی رواجی عدالتوں میں لے جاتے تھے۔ اسے اللہ تعالیٰ نے کھلا نفاق اور کفر وشرک قرار دیا ہے:

﴿اَلَمْ تَرَ اِلَى الَّذِيْنَ يَزْعُمُوْنَ اَنَّهُمْ اٰمَنُوْا بِمَآ اُنْزِلَ اِلَيْكَ وَمَآ اُنْزِلَ مِنْ قَبْلِكَ يُرِيْدُوْنَ اَنْ يَّتَحَاكَمُوْٓا اِلَى الطَّاغُوْتِ وَ قَدْ اُمِرُوْٓا اَنْ يَّكْفُرُوْا بِهٖ وَ يُرِيْدُ الشَّيْطٰنُ اَنْ يُّضِلَّهُمْ ضَلٰلًا بَعِيْدًا٥ وَ اِذَا قِيْلَ لَهُمْ تَعَالَوْا اِلٰى مَآ اَنْزَلَ اللّٰهُ وَاِلَى الرَّسُوْلِ رَاَيْتَ الْمُنٰفِقِيْنَ يَصُدُّوْنَ عَنْكَ صُدُوْدًا٥﴾ [النساء: ٦٠، ٦١]

''کیا تو نے ان لوگوں کو نہیں دیکھا جو گمان کرتے ہیں کہ وہ اس پر ایمان لے آئے ہیں جو تیری طرف نازل کیا گیا اور جو تجھ سے پہلے نازل کیا گیا۔ چاہتے یہ ہیں کہ آپس کے فیصلے غیر اللہ کی طرف لے جائیں، حالانکہ انھیں حکم دیا گیا ہے کہ اس کا انکار کریں اور شیطان چاہتا ہے کہ انھیں گمراہ کر دے بہت دور گمراہ کرنا۔ اور جب ان سے کہا جائے کہ جو کچھ اللہ نے نازل کیا ہے اس کی طرف اور رسول کی طرف آؤ تو تُو منافقوں کو دیکھے گا کہ تجھ سے منہ موڑ لیتے ہیں صاف منہ موڑنا۔''

اس آیت میں حکم الٰہی کے بدلے طاغوت کی پیروی کرنے کو کفر ونفاق قرار دیا ہے۔ ''طاغوت'' ہر اُس شے کو کہتے ہیں جسے اللہ کو چھوڑ کر معبود بنا لیا جائے۔ اس کا صاف مطلب یہ ہے کہ احکامِ الٰہی کے مقابلے میں جس کے احکام اور فیصلوں کو قانون کا درجہ دے کر اس کی اطاعت کی جائے اور اس کے مطابق فیصلے کیے جائیں وہ طاغوت ہے اور ایسے سب فیصلے شیطانی ہیں۔ اس لیے اس آیت میں ﴿لَا تَعْبُدُوا الشَّيْطٰنَ﴾ سے مراد شیطان کی اطاعت ہے۔ کیونکہ رحمان کے مقابلے میں سب فیصلے شیطانی ہیں۔ امام رازی رحمہ اللہ نے بھی اسی تناظر میں جو بحث کی اس کا خلاصہ یہ ہے کہ اس سے مراد شیطان کی اطاعت سے ممانعت ہے کیونکہ شیطان کو محض سجدہ کرنا ہی حرام نہیں اس کی اطاعت بھی حرام ہے۔ لہٰذا اطاعت عبادت ہے۔

رہا یہ سوال کہ اللہ تعالیٰ نے تو اپنی اطاعت کے ساتھ ﴿اَطِيْعُوا الرَّسُوْلَ وَ اُولِي الْاَمْرِ مِنْكُمْ﴾ [النساء: ٥٩] رسول اللہ ﷺ اور امراء کی اطاعت کا بھی حکم دیا ہے تو اللہ کے سوا کسی اور کی اطاعت اس کی عبادت کیونکر ہوئی؟ امام رازی اس کے جواب میں فرماتے ہیں کہ ان کی اطاعت جب اللہ کے حکم سے ہے تو وہ اللہ ہی کی عبادت ہے اور اسی کی اطاعت ہے، جیسے فرشتوں نے اللہ تعالیٰ کے حکم سے آدم علیہ السلام کو سجدہ کیا تھا۔ یہ آدم علیہ السلام کی عبادت نہیں تھی۔ امراء کی اطاعت اس صورت میں ان کی عبادت شمار ہوگی جب ان کی اطاعت ایسے معاملات میں ہو جن میں غیر کی اطاعت کی اجازت نہیں یا ان کی اطاعت اللہ کے حکم کے خلاف ہو:

((لا طاعة لمخلوق في معصية الخالق .))

پھر فرماتے ہیں کہ یہ کیسے معلوم ہوگا کہ یہاں اللہ کی بجائے شیطان کی اطاعت ہو رہی ہے کیونکہ شیطان کی تو کوئی بات ہم نہیں سنتے۔ تو اس کا جواب وہ یہ دیتے ہیں اگر تمھارے سامنے کوئی شخص

آئے اور تمھیں کوئی ایسا حکم دے جو اللہ کے حکم کے موافق نہیں تو سمجھ لو شیطان اس شخص کے ساتھ ہے وہ اسے یہ حکم کرنے کا وسوسہ اس کے دل میں ڈال رہا ہے۔ اس حالت میں اگر تم نے اس کی اطاعت کی تو تم نے اس کی اور اس کے شیطان کی عبادت واطاعت کی۔ اسی طرح اگر تمھارا نفس تمھیں کسی کام کے کرنے پر اکسائے تو دیکھو اس کا یہ حکم اللہ کے حکم کے مطابق ہے یا نہیں۔ اگر موافق نہیں تو شیطان اس کے ساتھ ہے جو اسے یہ کام کرنے پر اکسا رہا ہے۔ اگر اس نے نفس کی پیروی کی تو اس نے شیطان کی پیروی وعبادت کی۔ یہی وہ انسان ہے جس کے بارے میں فرمایا گیا ہے:

﴿اَرَءَیْتَ مَنِ اتَّخَذَ اِلٰهَهٗ هَوٰىهُ﴾ [الفرقان: ٤٣]

''کیا تُو نے وہ شخص دیکھا جس نے اپنا معبود اپنی خواہش کو بنا لیا۔''

امام صاحب مزید فرماتے ہیں: شیطان کی عبادت کے مختلف مراتب ہیں:

۱: کبھی ایسا ہوتا ہے کہ آدمی ایک کام کرتا ہے اور اس کے اعضاء کے ساتھ اس کی زبان اور اس کا دل بھی موافقت کرتے ہیں۔

۲: کبھی ایسا ہوتا ہے کہ آدمی اعضاء سے ایک کام کرتا ہے مگر دل اور زبان اس میں شریک نہیں ہوتے۔

۳: بعض ایسے بھی ہوتے ہیں کہ وہ گناہ کا ارتکاب کرتے ہیں لیکن دل اس پر مطمئن نہیں ہوتا اور زبان توبہ واستغفار کر رہی ہوتی ہے اور وہ زبان سے اعتراف کرتا ہے کہ ہم یہ برا کام کر رہے ہیں۔ یہ محض ظاہری اعضاء سے شیطان کی عبادت ہے۔

۴: اور کچھ ایسے بھی ہوتے ہیں جو اعضاء سے اور دل سے گناہ کا ارتکاب کرتے ہیں۔ دل اس گناہ پر مطمئن ہوتا ہے، زبان سے بھی اس پر خوشی واطمینان کا اظہار کرتے ہیں۔ جیسے ظالم حکمرانوں کی خدمت مدارت کرنے والے اور ظالم حکمرانوں سے ظلم پر مبنی فیصلے کروانے والے خوش ہوتے ہیں اور پھولے نہیں سماتے۔ یہ ظاہر اور باطن دونوں اعتبار سے شیطان کے عبادت گزار ہیں۔

جو ظاہری اعضاء سے گناہ کا ارتکاب کرتے ہیں مگر باطن پاک ہوتا ہے، ضمیر اسے ملامت کرتا ہے۔ ان کے ظاہری گناہ بیماری سے یا سزا سے ڈھل جاتے ہیں۔

حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: مسلمان کو جو مصیبت پہنچتی ہے خواہ اس کے پیر میں کانٹا چبھے، اللہ تعالیٰ اس مصیبت کو اس کے لیے کفارہ بنا دیتا ہے۔

(صحیح بخاري، رقم الحدیث: ٥٦٤٠ وغیرہ)

اس موضوع کی دیگر احادیث کے لیے شائقین الترغیب والترہیب (۲۸۰/۴-۲۸۸) ملاحظہ فرمائیں۔

بخار کو رسول اللہ ﷺ نے جہنم کی گرمی قرار دیا ہے اور جرائم پر حدود کو جرائم کا کفارہ قرار دیا ہے۔ مگر وہ گناہ جن کا ارتکاب انسان دل وجان سے کرتا ہے وہ بغیر توبہ اور ندامت کے معاف نہیں ہوتے۔

(تفسیر الرازی: ۹۶/۲۵، ۹۷)



بقیه: تميمة الصبي

کرے اور بہت جلد ملک ہند سے نکال کر حرمین شریفین زاد شرفہما میں پہنچا دے۔

از گدایانِ تو ام شاہِ بفر ما مددے
کہ چو مرغانِ حرم در حرمت جا گیرم

''میں آپ کے گداؤں میں سے ہوں۔ اے میرے بادشاہ (اللہ تعالیٰ) میری مدد فرما تا کہ میں بھی حرم کے پرندوں کی طرح تیرے حرم میں جگہ پالوں۔''

واخر دعوانا ان الحمد لله رب العالمين.



درسِ حدیث

تميمة الصبي في ترجمة الأربعين من أحاديث النبي

بچوں کے لیے
چالیس جامع احادیث مبارکہ

مؤلف: نواب سیّد محمد صدیق حسن خان رحمہ اللہ
تنقیح وتسہیل: حافظ صلاح الدین یوسف حفظہ اللہ

٣٧۔ بادشاہت قریش میں ہے:

((الملك في قريش.)) (رواه الترمذي)

''خلافت اور بادشاہی قریش میں ہے۔''

فائدہ: اللہ تعالیٰ نے قرآنِ کریم میں ﴿وَاٰمَنَهُمۡ مِّنۡ خَوۡفٍ﴾ فرمایا ہے۔ اس کی تفسیر میں کرمانی نے غرائب التفسیر میں لکھا ہے کہ قریش کو اس بات سے امن (بے خوفی) ہے کہ خلافت ان کے سوا کسی اور میں نہ ہوگی۔ اسی لیے اہل سنت والجماعت نے امام کے لیے قرشی النسب ہونے کی شرط عائد کی ہے۔ البتہ خوارج اور معتزلہ اس شرط کو نہیں مانتے۔ ان کے نزدیک خلافت قریش کے ساتھ خاص نہیں۔

قریش کا لفظ عام ہے جس میں قریش کے تمام قبیلے شامل ہیں۔ بنو ہاشم ہوں یا اور کوئی قبیلہ۔ اس لیے کہ خلفائے ثلاثہ کی خلافت نص اور اجماع سے ثابت ہے حالانکہ ان کا تعلق بنو ہاشم سے نہیں ہے تاہم شیعہ خلافت کو بنو ہاشم اور اہل بیت کے ساتھ خاص کرتے ہیں۔

ہمارے نزدیک حدیث مذکور کا مطلب یہ ہے کہ خلیفۂ اسلام باتفاق واجماعِ اہلِ اسلام ہوتا ہے تو مسلمانوں کو چاہیے کہ جب بھی کسی کو حاکم اور سربراہ بنائیں تو قریش سے بنائیں کہ حدیث کی رو سے بادشاہت قریش میں ہونی چاہیے۔

پھر جب خلافت اسلام جاتی رہی اور حاکم بہ جبر وغلبہ ہونے لگے تو خلافت قریش میں نہ رہی جس طرح کہ اب مختلف اسلامی ملکوں کا حال ہے کہ ان کے حاکم اور سربراہِ حکومت مسلمان تو ضرور ہیں لیکن قریشی نہیں۔

اور شریعت میں خلیفہ اس کو کہتے ہیں جس کو مسلمانوں کے اہل حل وعقد اتفاقِ رائے سے خود حاکم بنائیں اور اس کے ہاتھ پر بیعتِ اطاعت کریں۔ اور جو شخص خود بہ تغلّب تلوار کے زور سے حاکم بنے اور مسلمان ہو تو اُس کی اطاعت بھی ان اُمور میں لازم ہے جن میں خدا ورسول کی مخالفت نہ ہو۔ اور جو بھی خدا ورسول کا مخالف ہو، خلیفہ ہو یا بادشاہ، اس کی اطاعت مسلمانوں کے لیے ضروری نہیں۔

٣٨۔ قاضی ہونا انصار میں ہے:

((القضاء في الانصار.)) (رواه الترمذي)

''قاضی ہونا انصار میں ہے۔''

فائدہ: جس طرح کہ نبی ﷺ نے حضرت معاذ بن جبل رضی اللہ عنہ کو یمن کا قاضی بنا کر بھیجا تھا جو ایک انصاری تھے۔ حاصل یہ ہے کہ قاضی قوم انصار میں سے ہونا چاہیے، یا یہ مطلب ہے کہ انصار میں سے لوگ قاضی بنائے جانے کے قابل ہوتے ہیں۔ ان کے اندر فصلِ خصومات کی سمجھ اور معاملہ فہمی بہت ہے۔ جیسے حسن اتفاق سے شیخ زین العابدین عرب انصاری بھوپال کے قاضی ہوئے۔ اور جو شہادت کا مستحق ہے وہ قضا کے لائق ہے۔ اس لحاظ سے کافر، دیوانے، مملوک، لڑکے اور فاسق کو قضا کا استحقاق نہیں ہے۔ اور شرع میں قاضی اس کو کہتے ہیں جو مدعی اور مدعا علیہ کے درمیان جھگڑوں کا فیصلہ کرے اور حاکم ہو۔ حد وتعزیر وغیرہ کے سلسلے میں شریعت کا حکم نافذ کرنے کا اختیار اس کے پاس ہو۔ اب ہندوستان میں چونکہ اسلام کی سلطنت ختم ہوگئی ہے تو یہاں عہدۂ قضا بھی نہیں ہے تاہم یہاں مفتیوں کو قاضی کہا جاتا ہے جو نکاح پڑھانے اور مسئلے مسائل بتانے کا کام کرتے ہیں۔ حالانکہ یہ مفتی ہیں، قاضی نہیں ہیں۔

۳۹۔ اذان حبشہ میں ہے:

((الأذان في الحبشة .)) (رواه الترمذي)

''اذان کہنا قوم حبش میں ہے۔''

فائدہ: جیسے حضرت بلال حبشی رضی اللہ عنہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے مؤذن تھے۔ مطلب یہ ہوا کہ اذان کے لیے کسی حبشی کو مقرر کرنا چاہیے کہ یہ اذان خوب دیتے ہیں۔ اور اذان کا ثبوت عبداللہ بن زید انصاری اور امیر المومنین عمر فاروق رضی اللہ عنہما کے خواب سے ملتا ہے۔ بعض احادیث میں آتا ہے کہ جس گھر میں کوئی حبشی ہو تو اس گھر میں رزق اور برکت داخل ہوتی ہے۔ [1] غالباً اسی لیے بہت سے لوگ اور بادشاہ حبشی غلام اپنے پاس رکھتے ہیں کہ یہ بہت وفادار اور کام کے ہوتے ہیں۔ اور حبش نام ہے حبش بن کوس بن کنعان بن حام بن نوح علیہ السلام کی نسل کا۔

حکایت:

لکھا ہے کہ جب حضرت بلال رضی اللہ عنہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے آئے تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی تعریف میں انھوں نے اپنی زبانِ حبشہ میں یہ شعر پڑھا ؎

اَرَہْ بَرَہ کَنْکَرہ　　　کَراکَرِی مَنْدَرَہ

حضرت حسان بن ثابت رضی اللہ عنہ نے اس کا عربی میں ترجمہ کیا ؎

وإذا المكارم في آفاقنا ذكرت
فإنما بك فينا يضرب المثل

یعنی جب ہمارے ملکوں میں مکارم (عمدہ اخلاق وصفات اور بزرگیوں) کا تذکرہ ہوتا ہے تو ضرب المثل کے طور پر آپ صلی اللہ علیہ وسلم ہی کی بزرگی کو پیش کیا جاتا ہے۔''

حاصل یہ ہے کہ ساری بزرگیاں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی ذاتِ پاک میں منحصر ہیں جو مجمع کرامات دیکھنے کا شائق ہو وہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو دیکھ لے۔ سچ ہے ؎

خط سبز و لب لعل و رخ زیبا داری
حسن یوسف، دمِ عیسیٰ یدِ بیضا داری

شیوہ و شکل و شمائل حرکات و سکنات
آنچہ خوباں ہمہ دارند تو تنہا داری

اور کیا خوب فرمایا ہے حضرت شیخ عبدالرحمٰن جامی نے ؎

یا کامل الجمال و یا سید البشر
من وجہک المنیر لقد نور القمر
لا یمکن الثناء کما کان حقہ
بعد از خدا بزرگ توئی قصہ مختصر

۴۰۔ امانت قوم ازد میں ہے:

((الامانة في الازد .)) (رواه الترمذي)

''امانت قومِ ازد میں ہے۔''

فائدہ: یعنی اس قوم کے اکثر لوگ امین ہوتے ہیں اور اَزد سے مراد یمن ہے۔ مطلب یہ ہے کہ امین یمن کے رہنے والوں میں سے بنانے چاہئیں اور یہ منصب ان کو دینا زیادہ اچھا ہے۔ اور انصاریوں کا نسب بھی قبیلہ اَزد سے ملتا ہے۔ یہ عربی ہیں مگر قریشی نہیں۔ یہ چاروں حدیثیں جامع ترمذی کی ہیں۔

خاتمہ:

الحمدللہ چہل حدیث نبوی مع اُردو ترجمہ مکمل ہوگئی۔ ہمارے آباء واجداد نے خاکِ قنوج کو، جو کہ ہندوستان کا اُمّ البلاد ہے، اپنا وطن ٹھہرایا۔ اس لحاظ سے ہم اس ملک میں غریب الدیار ہیں۔ ہمارا اصلی وطن مدینہ طیبہ ہے۔ پس ہماری سعادت مندی اس میں ہے کہ ہم اس ملک (ہندوستان) سے ہجرت کر کے اصلی وطن کو چلے جائیں اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے جوار (قرب اور پڑوس) میں جئیں اور مریں۔ پس ہم اللہ تعالیٰ سے دعا کرتے ہیں کہ جس طرح ہم کو اور ہمارے باپ دادوں کو ایمان بالغیب کی دولت بے زوال نصیب کی اور ہماری خاک کو آب وہوائے نبوت کے خمیر سے گوندھا اور سیّد المرسلین خاتم النّبیین کی اولاد سے بنایا۔ اسی طرح اب ہجرت کی توفیق عنایت

(باقی صفحہ نمبر ۶ پر ملاحظہ کریں)

[1] اس حدیث کا کوئی حوالہ نواب صاحب رحمہ اللہ نے نہیں دیا۔ اگر کسی صاحب علم کی نظر میں ہو تو مطلع فرمائیں۔ (ادارہ)

احکام ومسائل

یارلوگوں کی خوش فہمی اوراس کی حقیقت

مولانا مفتی محمد عبید اللہ خاں عفیف حفظہ اللہ

سوال: بعض مؤرخین کے مطابق جب مشرکین کے ہاتھ طے شدہ معاہدوں کوختم کردینے کے احکام سورۂ براءت میں نازل ہوئے تو رسول اللہ ﷺ نے ۹ ہجری میں حضرت ابوبکر صدیق کو امیر حج بنا کر روانہ فرمایا اور یہ بھی حکم دیا کہ سورۂ براءت کے احکام بھی مشرکوں کو سنادیں اور واضح کردیں کہ آئندہ کوئی مشرک حج نہیں کرسکتا۔ بعد میں جبریل تشریف لائے اور پیغام دیا کہ تبلیغ احکام کے لیے علی رضی اللہ عنہ کو بھیجا جائے۔ تب علی رضی اللہ عنہ نے جا کر تبلیغ احکام کا فریضہ ادا کیا۔ جس سے یہ ثابت ہوتا ہے کہ حضرت ابوبکر میں تبلیغ احکام کی لیاقت نہ تھی جب ایسا ہے تو پھر وہ خلاف کے منصب کے اہل کس طرح ہوسکتے ہیں۔ جب کہ خلیفہ کے ذمہ تو تمام احکام شریعت کا نافذ کرنا ہوتا ہے۔ اس شبہ کا صحیح حل مطلوب ہے۔بینوا بالدلیل توجروا عند الرب الجلیل .

(عبدالقہار، بدخشاں، افغانستان)

جواب:الجواب بعون الوهاب ومنه الصدق والصواب . یہ شبہ یا خوش فہمی نہایت غلط اوراصل صورت حال کے سراسر خلاف ہے کیونکہ محدثین عظام اور مؤرخین کی تصریحات اور تدقیقات کے مطابق حضرت علی رضی اللہ عنہ ماموراور مقتدی بن کر گئے تھے نہ کہ امیر اور امام بن کر۔ بات یہ ہے کہ اہل سنت کی کتابوں میں اس امر کے متعلق مختلف روایات ملتی ہیں۔ اکثر روایات کے مطابق رسول اللہ ﷺ نے حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کو صرف اور صرف امارت حج کے منصب رفیع پر فائز فرمایا تھا۔تبلیغ احکام کی ذمہ داری ان کو سونپی ہی نہ تھی۔ جب حضرت ابوبکر امیر حج بن کر روانہ ہوگئے تو بعد میں جبریل امین نازل ہوئے اور مشرکین کے ساتھ امن وصلح کے معاہدوں کی تنسیخ اور مشرکوں کو آئندہ حج بیت اللہ کی ممانعت کے احکام بیان فرمائے۔تو ان احکام کی تبلیغ کے لیے آپ ﷺ نے حضرت علی رضی اللہ عنہ کو بہ حیثیت مبلغ کے نہ کہ بہ طور امیر حج کے بھیج دیا، یعنی دونوں بزرگوں کے ذمہ الگ الگ دو مختلف کام تھے، اور ان دونوں نے بڑی خوبی اور ذمہ داری سے اپنی اپنی ڈیوٹی کو سرانجام دیا۔ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ امارت حج پر فائز رہتے ہوئے اپنے فریضہ سے بہ احسن وجوہ عہدہ برآ ہوئے اور حضرت علی رضی اللہ عنہ بھی مکمل طور پر اپنی ذمہ داری سے عہدہ برآ ہوئے۔ پس جب تبلیغ احکام پر حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کا تقرر ہی ثابت نہیں تو پھر عزل کیسا؟ اور کیونکر؟ یعنی جب تبلیغ احکام حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کے فرائض منصبی میں شامل ہی نہ تھی تو اس صورت میں امارت حج کے منصب سے ان کی معزولی کا استدلال کیسا اور کیونکر۔

تفسیر بیضاوي ، تفسیر مدارك ، زاهدي ، تفسیر نظام الدین نیشاپوری ، کتاب جذب القلوب اور مشکاۃ میں اسی روایت کو اختیار کیا گیا ہے اوراہل حدیث نے بھی اسی روایت کو راجح اور فائق قرار دیا ہے۔ پس اندریں صورت امارت حج سے حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کی معزولی کا شبہ اخذ کرنا عجب خلط وخبط کا ملغوبہ ہے۔

ہاں ہمیں تسلیم ہے کہ تفسیر معالم التنزیل، تفسیر حسینی، ابن خلدون، روضۃ الاحباب اور مدارج النبوۃ للشیخ عبدالحق دہلوی وغیرہ سے یہ ظاہر ہوتا ہے کہ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کو امیر حج بنا کر تبلیغ احکام کا حکم بھی دیا تھا۔ بعد میں حضرت علی رضی اللہ عنہ کے ذمہ لگا دیا تھا۔

یہ ترمیم بہرحال دو احتمال سے خالی نہیں۔ اوّل یہ کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کے شریک کار اور نائب تھے۔ دوسرے یہ کہ رسول

اللہ ﷺ نے حضرت ابوبکر صدیق کو سچ مچ اس منصب سے معزول کردیا تھا۔

ہمارے نزدیک پہلا احتمال ہی راجح اور متعین ہے کیونکہ ان دونوں عظیم ترین ذمہ داریوں سے بہ یک وقت اکیلے ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کا عہدہ برآ ہونا کوئی آسان کام نہ تھا۔ صحیح بخاری، صحیح مسلم، روضۃ الاحباب اور دیگر محدثین عظام اور مؤرخین کی روایات اور تصریحات اسی احتمال کو تقویت دیتی ہیں، پڑھیے اور بہ نظر غائر پڑھیے اور اس شبہ کے بودے پن کا اندازہ لگائیے۔ لیجیے روایات حاضر ہیں:

عن ابن شهاب أخبرني حميد بن عبد الرحمن ان ابا هريرة قال بعثني ابوبكر في تلك الحجة في المؤذنين بعثهم يوم النحر يؤذنون بمني ان لا يحج بعد العام مشرك ولا يطوف بالبيت عريان ثم اردف النبي ﷺ بعلي بن ابي طالب فامره ان يؤذن ببراء ة قال ابوهريرة فأذن معنا علي في اهل مني يوم النحر ببراءة ولا يحج بعد العام مشرك ولا يطوف بالبيت عريان.

(صحيح البخاري: ٢/ ٦٧١)

"ابن شہاب کو حمید بن عبد الرحمٰن نے بتایا کہ حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ سن ۹ ہجری کے موسم حج میں مجھے ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے قربانی کے روز منی میں اعلان کرنے والوں کے ہمراہ بھیجا کہ اس سال کے بعد کوئی مشرک حج کو نہ آئے اور نہ کوئی ننگے بدن بیت اللہ کا حج کرے۔ حمید بن عبد الرحمٰن کا بیان ہے کہ (حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کے روانہ ہونے کے بعد) رسول اللہ ﷺ نے حضرت علی رضی اللہ عنہ کو ان کے پیچھے روانہ فرمایا اور ان کو براءت کے اعلان کا حکم فرمایا۔ حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ نے بھی قربانی کے روز اہل منی میں براءت کا اعلان کیا کہ اس سال کے بعد کوئی مشرک حج نہ کرے اور نہ کوئی ننگا شخص طواف کرے۔"

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ کا بیان ہے کہ میں پکارتا رہا اور اعلان کرتا رہا یہاں تک کہ میری آواز ماند پڑ گئی۔ (سیرت امام ابن کثیر: ۲/۵۴۰)

اس حدیث سے معلوم ہوا کہ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ بھی شریک اعلان تھے نہ صرف یہ کہ حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ اور دوسرے صحابہ رضی اللہ عنہم اس اعلان میں حضرت علی رضی اللہ عنہ کے شریک کار تھے بلکہ امارت حج کے منصب رفیع پر فائز رہتے ہوئے حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ بہ نفس نفیس اس اعلان میں حضرت علی رضی اللہ عنہ کے ساتھ برابر کے شریک تھے۔

جامع ترمذی میں حضرت ابن عباس سے ثابت ہے:

كان علي ينادي فإذا عيي قام ابوبكر رضى الله عنه فنادى بها هذا حديث حسن غريب من هذا الوجه من حديث ابن عباس. (سنن ترمذي مع شرحه تحفة الأحوذي: ٤/ ١١٥،١١٦)

اورتحفہ اثناعشریہ میں اتنا زیادہ ہے:

فاذا بح قام ابوهريرة فنادي بها.

(تحفة اثنا عشريه، ص: ٥٦٧)

یعنی حضرت علی منادی کرتے تھے جب وہ تھک جاتے تھے تو ابوبکر کھڑے ہوتے تھے اور ان کلمات کا اعلان کرتے تھے، اور ایک روایت میں ہے جب ان (ابوبکر) کی آواز بیٹھ جاتی تھی تو ابوہریرہ کھڑے ہوتے اور انھی کلمات کا اعلان کرتے تھے۔

امام خازن کی تنبیہ:

سورۂ براءت کی اوّلین آیات کی تبلیغ پر حضرت علی کے تقرر سے بعض وہم پرستوں کو یہ وہم ہوگیا ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کو امارت حج کے منصب سے معزول کردیا تھا اور یہ کہ حضرت علی ابوبکر سے افضل ہیں۔ مگر ان کا یہ وہم جہالت کا نتیجہ ہے۔ کیونکہ اس سال حضرت ابوبکر ہی امیر حج تھے اور انھوں نے ہی لوگوں کو حج کرایا اور مناسک حج سکھلائے تھے جیسا کہ حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ کی حدیث سے ثابت ہے۔ علامہ عبدالرحمٰن مبارک پوری فرماتے ہیں:

قلت مما يدل علي ان أبا بكر لم يزل اميرا على الموسم فى تلك السنة حديث جابر عند الطبري واسحاق في مسنده والنسائي والدارمي وابن خزيمة وابن حبان ان النبي حين رجع من عمرة الجعرانة بعث ابا بكر على الحج فاقبلنا معه حتى اذا كنا بالعرج ثوب بالصبح وسمع رغوة ناقة النبي ﷺ فإذا علي عليها فقال له امير أو رسول؟ فقال بل أرسلني رسول الله ﷺ ببراءة اقرأها على الناس . (تحفة الأحوذي: ١١٦/٤)

''میں کہتا ہوں کہ اس سال اخیر تک حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ ہی امارت حج کے منصب پر فائز رہنے کی دلیل حضرت جابر کی یہ حدیث ہے وہ فرماتے ہیں کہ جب نبی ﷺ نے جعرانہ کے عمرہ سے فارغ ہوکر واپس مدینہ مراجعت فرمائی تو حضرت ابوبکر کو امیر حج بنا کر روانہ فرمایا جب ہم ابوبکر رضی اللہ عنہ کی معیت میں مقام عرج پر پہنچے اور نماز فجر کی تکبیر کہی جا چکی تو حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے نبی ﷺ کی ناقہ (عضبآء) کی آواز سنی دیکھا تو اس پر حضرت علی رضی اللہ عنہ سوار تھے۔تو حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نے حضرت علی رضی اللہ عنہ سے پوچھا کہ امیر حج بن کر آئے ہیں یا قاصد بن کر تو حضرت علی رضی اللہ عنہ نے جواب دیا کہ قاصد بن کر آیا ہوں تاکہ سورۂ براءت کی آیات کے احکام لوگوں تک پہنچا دوں اور بس۔ اس حدیث کو امام طبری، امام اسحاق (بن راہویہ)، امام نسائی، امام دارمی، امام ابن خزیمہ اور امام ابن حبان نے روایت کیا ہے۔''

امام ابن ہشام ابومحمد عبدالملک (متوفی ۲۱۳ھ) تصریح فرماتے ہیں:

حضرت باقر سے روایت ہے کہ حضرت ابوبکر (امیر حج بن کر) حج کے لیے روانہ ہوجانے کے بعد جب سورۂ براءت نازل ہوئی تو صحابہ نے رسول اللہ ﷺ سے عرض کی کہ آپ ابوبکر رضی اللہ عنہ کو کہلا بھجیں کہ وہ لوگوں میں حج کے روز اس کا اعلان کردیں۔ آپ نے فرمایا یہ کام میرے ہی اہل بیت میں سے ایک شخص کرے گا۔ پھر آپ نے حضرت علی رضی اللہ عنہ کو بلا کر فرمایا کہ تم جاؤ اور حج میں قربانی کے روز جس وقت سب لوگ منیٰ میں جمع ہوں۔ سورۂ براءت کی شروع کی آیات پڑھ کر سنا دو اور اعلان کردو کہ جنت میں کافر داخل نہ ہوگا اور آئندہ سال مشرک حج کو نہ آئے اور نہ کوئی شخص برہنہ ہوکر کعبہ کا طواف کرے۔ چنانچہ حضرت علی رضی اللہ عنہ رسول اللہ ﷺ کی اونٹنی جس کا نام عضبآء تھا، پرسوار ہوکر روانہ ہوئے اور راستہ میں حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ سے جا ملے۔ جب حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نے حضرت علی کو دیکھا تو فرمایا کہ آپ امیر ہوکر آئے ہیں یا مامور (ماتحت) ہوکر؟ حضرت علی رضی اللہ عنہ نے فرمایا مامور ہوں۔ پھر دونوں روانہ ہوئے۔

(سیرت ابن ہشام: ۲۴۷/۲)

شیخ الاسلام امام ابن قیم رحمہ اللہ تصریح فرماتے ہیں:

قال ابن اسحاق فنزلت براءة في نقض ما بين رسول الله ﷺ وبين المشركين من العهد الذي كانوا عليه ، فخرج علي بن أبي طالب رضى الله عنه علي ناقة رسول الله ﷺ قال ابوبكر امير أو مامور قال لا بل مامور ثم مضيا قال ابن سعد فقال له ابوبكر استعملك رسول الله ﷺ قال: لا ولكن بعثني اقراء براءة على الناس وانبذ الى كل ذي عهد عهده فاقام ابوبكر للناس حجهم .

(زاد المعاد: ٢/ ٥٩٣، ٥٩٤)

بعد واپسی غزوۂ تبوک بقیہ رمضان وشوال وذوالقعدہ رسول اللہ ﷺ مدینہ منورہ میں مقیم رہے۔ اس کے بعد حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کو مسلمانوں کے ہمراہ امیر مقرر کرکے حج کے لیے روانہ فرمایا۔ ابن سعد نے کہا ابوبکر تین سو مسلمانوں اور بیس قربانیوں کو لے کر روانہ ہوئے۔ ان کی روانگی کے بعد سورۂ براءت کی آیات نازل ہوئیں۔ رسول

اللہ ﷺ نے ان آیات کو سنانے کے لیے حضرت علی کو روانہ کیا۔ حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ جس وقت عرج یا بہ روایت ابن عائض مقام فجنان (یا بہ روایت مشہورہ ذوالحلیفہ) میں تھے، حضرت علی رضی اللہ عنہ پہنچے۔ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے ان کو دیکھ کر فرمایا۔تم امیر ہو یا مامور؟ حضرت علی رضی اللہ عنہ نے جواب دیا کہ مامور ہوں (امیر نہیں)۔امام ابن سعد کہتے ہیں: اس کے بعد پھر حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے دریافت فرمایا رسول اللہ ﷺ نے آپ کو امیر حج بنا کر بھیجا ہے؟ تو علی رضی اللہ عنہ نے جواب دیا مامور ہوں لیکن آپ ﷺ نے مجھے لوگوں کو سورۂ براء ت کی آیات سنانے اور ہر ایک حلیف کے سامنے اس کا عہد پھینک دینے کے لیے بھیجا ہے۔اس کے بعد حضرت ابوبکر اور حضرت علی رضی اللہ عنہ مکہ پہنچے۔ حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نے حج کیا اور لوگوں کو حج کرایا اور حضرت علی رضی اللہ عنہ نے یوم النحر کو منیٰ میں کھڑے ہو کر سورت براء ت کی آیات تلاوت کر کے اعلان کیا۔ اے لوگو! جنت میں کوئی کافر نہیں جائے گا۔اس سال کے بعد مشرکین حج نہیں کر سکیں گے اور کوئی برہنہ ہو کر بیت اللہ کا طواف نہ کرنے پائے گا۔جس کا جو عہد رسول اللہ ﷺ کے ساتھ ہے وہ اپنی مدت تک قائم رہے گا۔

امام ابن کثیر رحمہ اللہ (متوفی ۷۷۴ھ) کا وضاحتی بیان:

رسول اللہ ﷺ کی ناقہ (عضباء) پر سوار ہو کر حضرت علی رضی اللہ عنہ روانہ ہوگئے۔ یہاں تک کہ حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ سے ملاقات ہوگئی۔ حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نے ان سے پوچھا آپ امیر (حج) بن کر آئے یا مامور (ماتحت) بن کر؟ امام یا مقتدی؟ تو حضرت علی رضی اللہ عنہ نے عرض کی مامور اور مقتدی ہوں (امیر اور امام نہیں)۔ پھر ابوبکر رضی اللہ عنہ نے مسلمانوں کے لیے حج کا اہتمام کیا۔ پھر ۱۰ ذوالحجہ کے روز (یوم النحر) حضرت علی رضی اللہ عنہ نے رسول اللہ ﷺ کا پیغام لوگوں کو پہنچایا اور اعلان کے روز سے لے کر چار ماہ تک آپ نے مہلت دی۔

امام ابن کثیر رحمہ اللہ کا دوسرا وضاحتی بیان:

قد كان رسول الله ﷺ بعث ابابكر الصديق رضى الله عنه ليقيم للناس الحج ...... حتى ادرك ابابكر الصديق فلما راه ابوبكر قال امير أو مامور؟ فقال بل مامور ثم مضيا.

(البداية والنهاية: ٥/ ٤٧)

رسول اللہ ﷺ جب ۹ ہجری میں حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کو امیر حج بنا کر روانہ فرما چکے اتنے میں سورت براء ت نازل ہوئی تو حضرت علی رضی اللہ عنہ کو ان آیات کا اعلان کرنے کے لیے حضرت ابوبکر کے پیچھے بھیج دیا۔ حضرت علی حضرت ابوبکر کو راستے میں جا ملے تو ابوبکر رضی اللہ عنہ نے علی رضی اللہ عنہ سے پوچھا امیر بن کر آئے یا مامور؟ تو علی رضی اللہ عنہ نے عرض کیا مامور بن کر حاضر ہوا ہوں پھر اکٹھے عازم مکہ مکرمہ ہوئے۔

امام ابوجعفر محمد بن جریر طبری (متوفی ۳۱۰ھ) کا تفصیلی بیان:

سدی سے مروی ہے کہ جب سورۂ براء ت کی تقریباً چالیس آیات نازل ہوئیں۔رسول اللہ ﷺ نے ان کو ابوبکر رضی اللہ عنہ کے ذریعے حج میں سنانے کے لیے بھیجا اور ان کو اس سال امیر حج مقرر کیا۔مدینہ سے روانہ ہو کر ابوبکر ذوالحلیفہ کے قریب شجرہ آئے تھے کہ رسول اللہ ﷺ نے علی رضی اللہ عنہ کو ان کے پیچھے روانہ کیا۔علی رضی اللہ عنہ نے وہ آیات ابوبکر سے لے لیں۔ابوبکر رسول اللہ ﷺ کے پاس واپس چلے آئے اور پوچھا یا رسول اللہ ﷺ! میرے ماں باپ آپ پر فدا ہوں، کیا میرے متعلق کوئی بات وحی میں نازل ہوئی ہے۔آپ ﷺ نے فرمایا نہیں۔مگر میں نے چاہا کہ اس پیام کو صرف میں پہنچاؤں، یا میرا کوئی اپنا۔ابوبکر کیا تم اس سے خوش نہیں ہو کہ تم میرے ساتھ غار میں رہے اور تم حوض کوثر پر میرے مصاحب رہو گے۔ابوبکر رضی اللہ عنہ نے کہا یا رسول اللہ ﷺ بے شک اس سے خوش ہوں۔اس کے بعد ابوبکر رضی اللہ عنہ امیر حج کی حیثیت سے مکہ روانہ ہوئے اور علی رضی اللہ عنہ سورۂ توبہ کی اطلاع دینے کے لیے مکہ آئے۔قربانی کے دن انھوں نے اعلان کر دیا۔

(تاريخ الامم والملوك المعروف تاريخ طبري، ج: ۲، حصه اوّل، ص: ۳۵۴)

حضرت شاہ ولی اللہ (متوفی ۱۱۷۶ھ) کا ایک عظیم غلطی کا ازالہ:

درسال نہم آنحضرت ﷺ حضرت صدیق امیر حج فرمود و

اول کسے است کہ در اسلام امیر الحج شد وایں جا غلطی عظیم افتادہ است۔ جمعی میدانند کہ فرستادن حضرت مرتضی رضی اللہ عنہ عزل ابوبکر بود تحقیق آنست کہ امیر حج ابوبکر صدیق بود و ابلاغ براءۃ تحویل علی مرتضی عن محمد بن علی:

انہ لما انزلت براءۃ علی رسول اللہ ﷺ وقد کان بعث ابابکر الصدیق رضی اللہ عنہ لیقیم للناس الحج قیل لہ یا رسول اللہ لو بعثت بھا الی ابی بکر فقال یؤدي عني رجل من أهل بیتي ثم دعا علی بن أبي طالب رضی اللہ عنہ فقال أخرج بھذہ القصۃ فخرج علی بن أبي طالب علی ناقۃ رسول اللہ ﷺ حتی أدرك ابابکر رضی اللہ عنہ فلما راہ قال امیر أو مامور قال بن مامور ثم مصیا فأقام ابوبکر للناس الحج حتی إذا کان یوم النحر قام علی بن أبي طالب فأذن في الناس بالذي امر بہ رسول اللہ ﷺ رواہ ابن اسحاق. (ازالۃ الخفآء، مقصد دوم، ص: ۱۷)

۹ ہجری میں رسول اللہ ﷺ نے حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کو امیر حج بنا کر روانہ فرمایا اور ابوبکر صدیق اسلام میں اوّلین امیر حج ہیں۔ اس مقام پر بعض لوگوں کو عظیم غلطی لگی ہے کہ حضرت علی کو ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کے پیچھے روانہ کرنا دراصل حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کو امارت حج کے منصب سے معزول کردینا تھا لیکن ان لوگوں کا یہ مطلب اخذ کرنا ان کی عظیم غلطی ہے۔ تحقیق یہ ہے کہ تکمیل حج تک امیر حج ابوبکر ہی رہے۔ (بات یہ ہے کہ عربوں کی قدیم عادت تھی کہ سیاسی معاہدوں کو بحال رکھنے یا اس کو منسوخ کرنے کا اعلان یا تو قبیلہ کا سردار یا اس کے گھرانے کا خاص آدمی کیا کرتا تھا) اس لیے جب حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کی روانگی کے بعد سورۂ توبہ نازل ہوئی جس میں مشرکین کے ساتھ طے شدہ معاہدوں کے نقض کے احکام تھے تو صحابہ نے عرض کی کہ حضرت ان احکام کی تبلیغ کا کام بھی ابوبکر صدیق کے ذمہ لگا دیا جائے تو رسول اللہ ﷺ نے فرمایا نہیں یہ کام (عربوں کے رواج کے مطابق) میری طرف سے میرے گھرانے کا ایک شخص کرے گا۔ پھر آپ ﷺ نے حضرت علی رضی اللہ عنہ کو یہ احکام دے کر حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کے پیچھے روانہ فرمایا۔ جب حضرت علی راستہ میں ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کو جا ملے تو حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نے علی رضی اللہ عنہ سے دریافت کیا آپ امیر (حج) بن کر آئے یا مامور (ماتحت اور نائب) بن کر آئے ہو تو حضرت علی رضی اللہ عنہ نے جواب میں کہا کہ نہیں میں تو مامور (نائب) ہوں۔ پھر دونوں ایک ساتھ مکہ مکرمہ کی طرف چل دیے۔ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے بہ حیثیت امیر حج لوگوں کے حج کا اہتمام فرمایا اور حضرت علی رضی اللہ عنہ نے دس ذوالحجہ یوم النحر میں مشرکین کے ساتھ سابقہ معاہدوں کی منسوخی کا اعلان کیا اور بتا دیا کہ آئندہ کوئی مشرک حج کو نہ آئے اور نہ کوئی برہنہ شخص بیت اللہ کا طواف کرے اور ابن عباس کی روایت میں ہے کہ جب حضرت علی رضی اللہ عنہ نے اعلان کرتے کرتے تھک جاتے تو حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ اعلان کرنے کے لیے کھڑے ہو جاتے تھے۔

شاہ عبدالعزیز محدث دہلوی کا بیان:

تمام اہل تاریخ کے اجماع سے ثابت ہے کہ علی مرتضی رضی اللہ عنہ اس سفر میں ابوبکر رضی اللہ عنہ کی پیروی فرماتے رہے۔ انھی کے پیچھے نماز پڑھتے تھے، اور مناسک حج میں بھی ان کی متابعت کرتے تھے، اور یہ بھی کتب سیر اور احادیث میں ثابت ہے اور صحیح ہے کہ جب حضرت علی رضی اللہ عنہ ابوبکر رضی اللہ عنہ کے پاس پہنچے اور رسول اللہ ﷺ کی ناقہ کی آواز سنی تو گمان کیا کہ شاید رسول اللہ ﷺ خود حج ادا کرنے کے لیے تشریف لائے ہیں۔ تمام لشکر کو کھڑا کر کے حضرت علی سے پوچھا: انت امیر أو مامور؟ (کیا تم امیر ہو اور میں امارت حج سے معزول ہوں یا تم تابع اور مامور اور میں امیر ہوں؟) علی رضی اللہ عنہ نے جواب میں فرمایا کہ میں مامور ہوں۔

دفع دخل مقدر:

تبلیغ احکام کی ذمہ داری سے حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کا یہ عزل

(معزولی) عدم قابلیت کی وجہ ہرگز نہ تھی بلکہ اس کی واحد وجہ یہ تھی کہ عربوں کی یہ قدیم عادت تھی کہ جب کوئی معاہدہ کرنا یا توڑنا ہوتا، صلح یا جنگ کا معاملہ درپیش ہوتا وہ ایسے شخص کے ذریعہ انجام پذیر ہوسکتا تھا جو خود بادشاہ یا اس کا بیٹا یا داماد ہو۔ دوسرا کوئی شخص خواہ کتنا بڑا اور قد آور ہو، اس کام کے لیے اس کو قبول نہیں کیا جاتا تھا۔ لہٰذا اگرچہ حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ تبلیغ احکام کا فریضہ بھی یقیناً بہ احسن وجوہ سرانجام دے سکتے تھے، تاہم مشرکین اپنی اس عادت کے مطابق یہ اعتراض کرسکتے تھے کہ ہم سے کیے گئے معاہدوں کی منسوخی کے لیے شاہی خاندان کے کسی خاص شخص کو کیوں نہیں بھیجا گیا۔ لہٰذا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مشرکین کے اس اعتراض کے استیصال کے لیے اپنے چچیرے بھائی اور داماد حضرت علی رضی اللہ عنہ کو روانہ فرمانا ضروری سمجھا۔ اس میں حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کی عدم قابلیت اور حضرت علی کی قابلیت اور برتری کا کوئی سوال نہیں۔ فافهم ولا تكن من القاصرين.

یہ بات بڑی سنجیدگی کی متقاضی ہے اگر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کو امارت حج کے منصب کا اہل نہ پاتے تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم ان کو اس منصب پر فائز ہی کیوں فرماتے۔ اس سے قبل اس جیسے بڑے بڑے اہم کاموں کی انجام دہی انھی کے سپرد فرماتے اور یہاں بھی جس کام کا اہتمام اور اس کی تکمیل کے لیے حضرت کو منتخب کیا گیا وہ بڑا وسیع الذیل، بڑا محنت طلب اور مشکل ترین کام تھا۔ کیونکہ ان کے ذمہ لاکھوں انسانوں کے حج کا اہتمام، عرفات، مزدلفہ، منیٰ اور جمروں کی رمی کے دوران جس قدر حوادث و واقعات پیش آنے والے تھے۔ ان کا تصفیہ اور فصل خصومات کا کام انھی کے سپرد تھا۔ لاکھوں کے اس مبارک اجتماع میں مناسک حج کے احکام کی تبلیغ اور پیش آمدہ مسائل کا فتویٰ آپ ہی نے صادر فرمانا تھا۔ ایسے عظیم اور حساس منصب کے لیے ایسے عبقری اور ذمہ دار انسان کی ضرورت تھی جو سلیم العقل، بالغ نظر، راسخ العلم، مجتہد، اعلیٰ درجے کا مدبر اور منتظم ہو۔ چونکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی دور رس نگاہ میں ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کی ذات والا صفات میں یہ خوبیاں بہ درجہ اتم موجود تھیں۔ اس لیے آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اسلام میں پہلے حج کی امارت پر انھی کا تقرر ضروری سمجھا تا کہ اوّلین حجاج کرام شرعی حج کی سعادت حاصل کرسکیں۔ جب کہ اس عظیم ترین کام کے مقابلہ میں سورۂ براءت کی ابتدائی آیات بہ آواز بلند پڑھ کر لوگوں کو سنا دینا اتنا آسان کام تھا کہ جسے اونچی آواز والا کوئی حافظ بھی کرسکتا تھا۔ لہٰذا یہ بات سراسر خلاف قیاس اور بعید از عقل ہے کہ امارت حج کی عظیم اور مشکل ترین ذمہ داریوں سے بہ احسن وجوہ عہدہ برآ ہونے کی قابلیت کا پیکر چند آیات کی تلاوت کی قابلیت سے محروم ہو۔ لہٰذا اس میں قابلیت یا فوقیت کا کوئی سوال نہیں۔ گو تبلیغ احکام کا کام امارت حج کی ذمہ داریوں کے مقابل آسان تر کام تھا مگر فی نفسہ یہ بھی اہم اور عظیم کام تھا اس لیے ضروری تھا کہ ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کی طرح وہ شخص بھی جلیل القدر اور بلند مرتبہ کا حامل ہو اس لیے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس اہم کام کو سرانجام دینے کے لیے حضرت علی رضی اللہ عنہ کو مقرر فرمایا۔



عقائد اسلام

توحید کا انعام اور شرک کا انجام

میاں محمد جمیل (کنوینر تحریک دعوتِ توحید پاکستان)

اس سے پہلے شمارہ: ۴۸ میں ''توحید کی عظمت اور شرک کی ذلت'' کے مضمون میں قرآن مجید کی آیات سے ثابت کیا گیا تھا کہ اللہ تعالیٰ کے نزدیک شرک سب سے بڑا گناہ ہی نہیں بلکہ پرلے درجے کا ظلم، جھوٹ، جہالت، تاریکی، حماقت اور انسانی فطرت کے خلاف بغاوت ہے۔ دنیا میں ذلّت کا باعث اور آخرت میں جہنم میں داخلے کا سبب ہو گا۔ شرک کے مقابلے میں توحید ہے جو حقیقت کی سب سے بڑی گواہی، عدل کی ترجمان، دانائی کا ثبوت، دنیا اور آخرت میں روشنی اور گناہوں کا کفارہ ہونے کے ساتھ اپنے رب کی رضا اور جنت کی چابی ہے۔ مشرک ہمیشہ کے لیے جہنم میں جلتا رہے گا اور موحّد ہمیشہ جنت کی نعمتوں سے لطف اندوز ہوگا۔

بہ الفاظ دیگر عقیدہ توحید مسلمان کو فکری ارتقا، عملی بلندی اور آخرت میں ہمیشہ کے انعامات سے سرفراز کرتا ہے اور شرک انسان کو ذہنی پستی، عملی کمزوری اور دنیا و آخرت کی لامتناہی ذلت سے دوچار کرتا ہے۔

توحید کا عقیدہ مسلمان کو بلندیوں سے سرفراز کرتا ہے اور شرک انسان کے لیے پستی کا باعث ہے:

❀...... ﴿مَنْ كَانَ يُرِيدُ الْعِزَّةَ فَلِلّٰهِ الْعِزَّةُ جَمِيعًا إِلَيْهِ يَصْعَدُ الْكَلِمُ الطَّيِّبُ وَالْعَمَلُ الصَّالِحُ يَرْفَعُهُ وَالَّذِينَ يَمْكُرُونَ السَّيِّئَاتِ لَهُمْ عَذَابٌ شَدِيدٌ وَمَكْرُ أُولٰئِكَ هُوَ يَبُورُo﴾ [فاطر: ۱۰]

''جو عزت چاہتا ہے عزت ساری کی ساری اللہ کے اختیار میں ہے، پاکیزہ کلمات اور نیک عمل کو وہی اُوپر اٹھاتا ہے، جو لوگ بُری چالیں چلتے ہیں اُن کے لیے سخت عذاب ہے اور اُن کا مکر و فریب غارت ہونے والا ہے۔''

❀...... ﴿يَرْفَعِ اللّٰهُ الَّذِينَ آمَنُوا مِنْكُمْ وَالَّذِينَ أُوتُوا الْعِلْمَ دَرَجَاتٍ وَاللّٰهُ بِمَا تَعْمَلُونَ خَبِيرٌo﴾

[المجادلة: ۱۱]

''تم میں سے جو لوگ ایمان والے ہیں اور جنہیں علم دیا گیا ہے، اللہ ان کو بلند درجے عطا فرمائے گا، اور جو کچھ تم کرتے ہو اللہ کو اس کی پوری خبر ہوتی ہے۔''

❀...... ﴿وَاتْلُ عَلَيْهِمْ نَبَأَ الَّذِي آتَيْنَاهُ آيَاتِنَا فَانْسَلَخَ مِنْهَا فَأَتْبَعَهُ الشَّيْطَانُ فَكَانَ مِنَ الْغَاوِينَo وَلَوْ شِئْنَا لَرَفَعْنَاهُ بِهَا وَلٰكِنَّهُ أَخْلَدَ إِلَى الْأَرْضِ وَاتَّبَعَ هَوَاهُ فَمَثَلُهُ كَمَثَلِ الْكَلْبِ إِنْ تَحْمِلْ عَلَيْهِ يَلْهَثْ أَوْ تَتْرُكْهُ يَلْهَثْ ذٰلِكَ مَثَلُ الْقَوْمِ الَّذِينَ كَذَّبُوا بِآيَاتِنَا فَاقْصُصِ الْقَصَصَ لَعَلَّهُمْ يَتَفَكَّرُونَo﴾ [الأعراف: ۱۷۵، ۱۷۶]

''اور انہیں اس شخص کی خبر سنائیں جس کو ہم نے اپنی آیات عطا کیں تو وہ ان سے کنارہ کش ہو گیا، شیطان نے اسے اپنے پیچھے لگا لیا تو وہ گمراہوں میں شامل ہو گیا۔ اگر ہم چاہتے تو اسے اپنی آیات کے ذریعے بلند کر دیتے مگر وہ زمین کے ساتھ چمٹ گیا اور اپنی خواہش کے پیچھے لگا، یہ کتے کی مانند ہے اگر آپ اس پر بوجھ لاد دیں تو زبان نکال کر ہانپتا ہے یا اسے چھوڑ دیں تو بھی زبان نکالے ہانپتا ہے، یہ ان لوگوں کی مثال ہے جنھوں نے ہماری آیات کو جھٹلایا آپ انھیں سنائیں تا کہ وہ غور و فکر کریں۔''

ارشاد ہوتا ہے کہ اگر ہم چاہتے تو اسے اپنے عطا کردہ علم کے ساتھ فکر کی بلندی اور کردار کی رفعت عطا کرتے۔ لیکن اس نے اپنی

خواہش کی پیروی کرتے ہوئے رفعت و بلندی کی بجائے زمین کے ساتھ چمٹنا پسند کرلیا۔ یہاں زمین کے ساتھ چمٹنے سے مراد فکر و کردار کی پستی اور دنیا کو آخرت پر مقدم سمجھنا ہے۔ اللہ تعالیٰ کا اصول اور ضابطہ یہ ہے کہ انسان کو ہدایت اور گمراہی کے راستے کی نشاندہی کرکے کھلا چھوڑ دیا جائے تاکہ انسان جس راستہ کو پسند کرتا ہے اسے اختیار کرسکے۔علم کا بنیادی مقصد اس کے ذریعے رہنمائی پانا ہے اگر کوئی شخص صاحب علم ہوکر بھی جہالت اور گمراہی کے راستہ کو پسند کرتا ہے تو اسے ہدایت پر کیوں مجبور کیا جا سکتا ہے۔ ایسے علم والے کی مثال تو اس کتے کی ہے جس پر بوجھ ڈالا جائے یا نہ ڈالا جائے وہ ہر صورت زبان لٹکائے ہانپتا پھرتا ہے۔ کتے کو دیکھنے والا اس بات کا اچھی طرح اندازہ کرسکتا ہے کہ کتا سدھایا ہوا ہو یا عام، سردی میں ہو یا گرمی میں، بھوکا ہو یا پیٹ بھرا ہو۔ وہ ہر وقت ہانپتا ہے اور چلتے پھرتے زمین کو سونگھتا اور جگہ جگہ اپنی زبان مارتا پھرتا ہے۔ کتا ایسا جانور ہے جو کبھی سیر چشم نہیں ہوتا یہاں تک کہ اگر آپ اسے پتھر ماریں تو وہ اسے بھی کھانے کی کوشش کرتا ہے۔ اتنا بدخصلت اور لالچی جانور ہونے کے باوجود اپنے مالک کا وفادار اور سدھایا ہوا کتا اپنے آقا کے حکم پر عمل کرتا ہے۔لیکن بدعقیدہ شخص اور دنیا پرست عالم اس سے بھی بدتر ہوتا ہے۔ کیونکہ وہ اللہ تعالیٰ کی آیات کی تکذیب کرتا ہے،اور اپنے خالق و مالک کے علاوہ جگہ جگہ ٹکریں مارتا پھرتا ہے۔

❀...... ﴿حُنَفَآءَ لِلّٰهِ غَيْرَ مُشْرِكِيْنَ بِهٖ وَمَنْ يُّشْرِكْ بِاللّٰهِ فَكَاَنَّمَا خَرَّ مِنَ السَّمَآءِ فَتَخْطَفُهُ الطَّيْرُ اَوْ تَهْوِيْ بِهِ الرِّيْحُ فِيْ مَكَانٍ سَحِيْقٍ﴾ [حج: ٣١]

"پوری یکسوئی کے ساتھ صرف ایک اللہ کے ہوجاؤ اور اس کے ساتھ کسی کو شریک نہ بناؤ۔ جس نے اللہ کے ساتھ شریک بنایا گویا وہ آسمان سے گر پڑا۔ اسے پرندے اچک لیں گے یا ہوا اسے ایسی جگہ لے جا کر پھینک دے گی جہاں اس کے چیتھڑے اڑ جائیں گے۔"

حَنِیْف کی جمع "حُنَفَاء" ہے جس کا معنٰی ہے کسی کام کے لیے پوری طرح یکسو ہوجانا۔ یہاں حنفاء للّٰہ کے الفاظ استعمال فرما کر یہ بات سمجھائی ہے کہ اے لوگو! تمھیں نہ صرف ہر قسم کے شرک اور جھوٹ سے بچنا ہے بلکہ پوری طرح اللہ کے بن کر رہنا ہوگا۔ تمھارے عقیدہ اور عمل میں شرک کی ذرہ برابر آمیزش نہیں ہونی چاہیے۔ جس نے اللہ تعالیٰ کے ساتھ اعتقاداً یا عملاً شرک کیا گویا وہ آسمان سے نیچے گر پڑا۔ زمین پر آتے ہی اسے پرندوں نے نوچ لیا۔ یا اسے تیز ہوا نے ایسے مقام پر پھینک دیا جس سے وہ بوٹی بوٹی ہوگیا۔ "سَحِيْقٍ" پہاڑ کے ایسے گہرے گھڑے کو کہتے ہیں جس میں گرنے والا پتھروں پر لڑھکتا ہوا اس طرح نیچے گرے کہ اس کے جسم کے چیتھڑے اُڑ جائیں۔شرک کرنے والے کی حقیقتاً یہی حالت ہوتی ہے۔

عقیدہ توحید انسان کو فکری اور عملی طور پر بلندیوں سے سرفراز کرتا ہے۔شرک انسان کو فکری اور عملی طور پر ذلّت اور زوال سے دوچار کرتا ہے۔ موحد انسان ہر حال میں اپنی خودی کو قائم رکھتا ہے، اور اپنے عقیدہ پر پکا رہتا ہے، اگر وہ کسی کے ساتھ تعلق جوڑتا ہے تو اس کے پیچھے مفاد کی بجائے اللہ کے حکم کی اتباع اور اس کی رضا مقصود ہوتی ہے۔ اس کے مقابلے میں مشرک فکری اور عملی طور پر اس قدر گھٹیا ہوتا ہے کہ وہ اپنے خالق و مالک کو چھوڑ کر بتوں، پتھروں اور مزاروں کے سامنے ماتھا رگڑتا پھرتا ہے۔ اس کے عمل اور تعلق کے پیچھے جلد بازی اور مفاد پرستی کے سوا کچھ نہیں ہوتا۔ حتی کہ وہ اللہ کی عبادت بھی صرف دنیوی فائدے کے لیے کرتا ہے۔ اگر اسے فائدہ نہ ہو تو وہ اپنے رب کی عبادت بھی چھوڑ دیتا ہے۔ (حج: ١١)

مشرک اپنے رب کا وفادار نہیں ہوتا۔ جو اپنے رب کا وفادار نہیں وہ دوسروں کا کس طرح وفادار ہوسکتا ہے؟ جس طرح آسمان سے گرنے والے کا وجود ریزہ ریزہ ہوجاتا ہے اسی طرح مشرک فکر و عمل کے اعتبار سے ریزہ ریزہ ہوجاتا ہے۔ وہ اعتقادی طور پر منتشر اور خوداری کے حوالے سے تہی دامن ہوتا ہے۔ اسی بات کا نتیجہ ہے کہ اچھا بھلا پڑھا لکھا انسان کبھی فُٹ پاتھ پر بیٹھے ہوئے آدمی سے قسمت معلوم کرتا ہے، اور کبھی بت کے سامنے ہاتھ باندھے کھڑا ہوتا

ہے۔ایک قبر کے سامنے سجدہ کر رہا ہے اور دوسرا قبر کے پاس بیٹھے ہوئے مجاور کے سامنے فریاد کرتا ہے اور در در کی ٹھوکریں کھانے کو ثواب سمجھتا ہے۔ اس کے مقابلے میں مومن غریب ہو یا امیر، پڑھا ہوا ہو یا اَن پڑھ وہ اپنے رب کو چھوڑ کر کہیں جانے کے لیے تیار نہیں ہوتا۔ یہی وہ فکر وعمل کی بلندی ہے جن کا ان آیات میں ذکر کیا گیا ہے۔

توحید نیک اعمال کی قبولیّت کی ضمانت ہے اور شرک سے نیک اعمال ضائع ہو جاتے ہیں:

﴿فَاسْتَجَابَ لَهُمْ رَبُّهُمْ أَنِّي لَا أُضِيعُ عَمَلَ عَامِلٍ مِّنكُم مِّن ذَكَرٍ أَوْ أُنثَىٰ بَعْضُكُم مِّن بَعْضٍ فَالَّذِينَ هَاجَرُوا وَأُخْرِجُوا مِن دِيَارِهِمْ وَأُوذُوا فِي سَبِيلِي وَقَاتَلُوا وَقُتِلُوا لَأُكَفِّرَنَّ عَنْهُمْ سَيِّئَاتِهِمْ وَلَأُدْخِلَنَّهُمْ جَنَّاتٍ تَجْرِي مِن تَحْتِهَا الْأَنْهَارُ ثَوَابًا مِّنْ عِندِ اللَّهِ وَاللَّهُ عِندَهُ حُسْنُ الثَّوَابِ ۝﴾ [آل عمران: ۱۹۵]

’’پس ان کے رب نے ان کی دعا قبول فرمالی کہ میں تم میں سے مرد یا عورت کسی بھی عمل کرنے والے کے عمل کو ضائع نہیں کرتا۔ کیونکہ تم ایک دوسرے سے ہو، جنھوں نے ہجرت کی اور اپنے گھروں سے نکال دیے گئے اور جنھیں میری راہ میں ستایا گیا اور جنھوں نے جہاد کیا اور شہید کیے گئے۔ میں ہر صورت ان کے گناہ معاف کروں گا اور یقیناً انہیں ان جنتوں میں داخل کروں گا جن کے نیچے نہریں بہہ رہی ہیں۔ یہ ثواب اللہ تعالیٰ کی طرف سے ہوگا اور اللہ کے پاس بہترین ثواب ہے۔‘‘

اس فرمان سے پہلے اللہ تعالیٰ نے اپنی توحید کے دلائل دیے ہیں اور پھر بتلایا ہے کہ حقیقی دانشمند لوگ اللہ کی قدرت کے نشانات اور عجائبات دیکھنے کے بعد نہ صرف ہر حال میں اس کی ذات، اس کے احکام کو مانتے اور یاد رکھتے ہیں بلکہ وہ برملا اس بات کا اقرار کرتے ہیں کہ ہمارے خالق و مالک نے زمین و آسمان کی کوئی چیز بے مقصد پیدا نہیں کی اور ہر چیز اللہ تعالیٰ کے حکم سے اپنی تخلیق کے مقصد کو پورا کر رہی ہے۔ اس حقیقت کے اعتراف کے ساتھ انہیں اس بات کا بھی احساس ہوتا ہے کہ انسان بھی ایک عظیم مقصد کے لیے پیدا کیا گیا ہے۔ وہ مقصد اللہ کی غلامی میں رہ کر دنیا میں اس کی خلافت کا حق ادا کرنا ہے۔ اللہ کے بندے اس مقصد کے حصول میں واقع ہونے والی کمزوریوں کا احساس کرتے ہوئے پکار اٹھتے ہیں: الٰہی! ہم نے اس مقصد کو پانے میں کوتاہی کی، ہماری تیرے حضور عاجزانہ التجا ہے کہ تو ہمیں اپنی ناراضگی اور جہنم کی آگ سے بچائے رکھنا۔ کیونکہ جو جہنم کی آگ میں داخل ہوا اس کی مدد کرنے والا کوئی نہیں ہوگا اور وہ ذلیل و خوار ہو کر رہے گا۔ اے ہمارے رب! ہم نے تیری قدرتوں کے نشانات دیکھے، ہم نے تیرے رسول کی دعوت کو قبول کیا۔ ہم تیری ذات پر ایمان لائے کہ تو ہی ہمارا خالق، رازق اور مالک ہے۔ ہماری عاجزانہ درخواست ہے کہ ہمارے گناہوں کو معاف فرما، ہمیں گناہوں اور غلطیوں سے بچنے کی توفیق نصیب فرما اور ہمارا خاتمہ نیک لوگوں کے ساتھ کر اور جو تو نے اپنے انبیاء کے ذریعے اپنے بندوں کے ساتھ وعدے فرمائے وہ سب کچھ ہمیں عطا فرما اور قیامت کے دن ذلّت ورسوائی سے محفوظ رکھنا۔ بے شک تو وعدہ خلافی نہیں کرتا۔

(آل عمران:۱۹۴)

مومنوں کا کردار اور اخلاص دیکھ کر اللہ تعالیٰ اپنی شفقت و مہربانی سے جواب دیتا ہے کہ ان کے رب نے ان کے اخلاص، کردار اور دعاؤں کو قبول کر لیا ہے۔ اُس کا اعلان ہے کہ مرد ہو یا عورت کسی عمل کرنے والے کے عمل کو وہ ضائع نہیں کرے گا۔ جنھوں نے اللہ کی راہ میں ہجرت کی یا انہیں ان کے گھروں سے نکال دیا گیا، میرے راستے میں انہوں نے دکھ اٹھائے، لڑے اور شہید ہوئے ان کے گناہوں کو ضرور معاف کیا جائے گا اور ان کے لیے باغات ہوں گے جن میں نہریں جاری ہیں یہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے ان کے لیے اجر وثواب ہوگا۔ اللہ کے پاس بہترین عطا اور جزا ہے۔ (آل عمران: ۱۹۵)

نہ صرف انھیں اجر وثواب سے نوازا جائے گا بلکہ ان کی نیک اولاد پر خصوصی کرم فرمائے گا:

﴿وَالَّذِينَ آمَنُوا وَاتَّبَعَتْهُمْ ذُرِّيَّتُهُم بِإِيمَانٍ أَلْحَقْنَا

بِهِمۡ ذُرِّيَّتَهُمۡ وَمَآ أَلَتۡنَٰهُم مِّنۡ عَمَلِهِم مِّن شَيۡءٍۚ كُلُّ امۡرِيِٕۭ بِمَا كَسَبَ رَهِينٌ۝﴾ [طور: ۲۱]

’’جو لوگ ایمان لائے اور ان کی اولاد بھی ایمان لانے میں اُن کے پیچھے چلی، ان کی اولاد کو ہم اُن کے ساتھ ملا دیں گے اور ان کے والدین کے عمل میں کوئی چیز کم نہیں کریں گے، ہر شخص اپنی کمائی کے عوض رہن ہے۔‘‘

جو لوگ ایمان لائے اوراس کے تقاضے پورے کرتے رہے اوران کی اولاد نے بھی ایمان لانے اور نیک عمل کرنے میں اپنے والدین کی پیروی کی۔ جب دونوں جنّت میں داخل کیے جائیں گے اور اپنے اپنے مقام پر قیام پذیر ہوں گے تو اللہ تعالیٰ اپنی رحمت سے جنّت میں نچلے درجے میں رہنے والی ان کی اولاد کو ان کے ماں باپ کے ساتھ ملا دے گا یعنی ان کی اولاد کے درجات بلند فرمائے گا اوران کے ماں باپ کے ساتھ جنّت کے اعلیٰ مقام پر انہیں اکٹھا کر دے گا۔ گویا کہ اعلیٰ مقام پر فائز جنّتیوں کے درجات کم کرنے کی بجائے ان کی اولاد کے درجات میں اضافہ فرمائے گا۔

❀...... ”عبد الله بن عمرو بن العاص يقول قال رسول الله ﷺ إن الله يستخلص رجلا من أمتي على رءوس الخلائق يوم القيامة فينشر عليه تسعة وتسعين سجلا كل سجل مثل مد البصر ثم يقول له أتنكر من هذا شيئا أظلمتك كتبتي الحافظون؟ قال: لا يا رب فيقول ألك عذر أو حسنة؟ فيبهت الرجل فيقول لا يا رب فيقول بلى إن لك عندنا حسنة واحدة لا ظلم اليوم عليك فتخرج له بطاقة فيها أشهد أن لا إله إلا الله و أن محمدا عبده ورسوله فيقول أحضروه فيقول يا رب ما هذه البطاقة مع هذه السجلات فيقال إنك لا تظلم قال فتوضع السجلات في كفة فطاشت السجلات وثقلت البطاقة ، ولا يثقل شيئة باسم الله الرحمن الرحيم . “ (مسند احمد)

’’حضرت عبداللہ عمرو بن عاص بیان کرتے ہیں رسول اللہ نے فرمایا اللہ تعالیٰ قیامت کے دن ایک آدمی کو ساری مخلوق میں سے الگ فرمائیں گے اور اُس کے سامنے ننانوے دفتر کھولے جائیں گے۔ ہر دفتر حدِ نگاہ تک پھیلا ہوگا۔ اللہ تعالیٰ فرمائیں گے اے بندے! کیا تو اِن میں سے کسی ایک کا انکار کرتا ہے؟ کیا میرے نگرانوں میں سے کسی نے تجھ پر ظلم کیا ہے؟ وہ کہے گا اے میرے رب بالکل انہوں نے کوئی زیادتی نہیں کی۔ اللہ فرمائیں گے کیا تیرا کوئی بہانہ ہے یا کوئی نیکی؟ وہ کہے گا اے میرے رب نہیں۔ اللہ تعالیٰ فرمائیں گے ہاں! ہمارے ہاں تیری ایک نیکی ہے آج کے دن تجھ پر کسی قسم کا ظلم نہیں ہوگا پھر ایک کاغذ نکالا جائے گا جس میں کلمۂ شہادت ثبت ہوگا۔ اللہ فرمائیں گے اِس کا وزن کیا جائے وہ کہے گا اتنے بڑے دفتروں کے مقابلے میں اِس کاغذ کی کیا حیثیت۔ اللہ تعالیٰ فرمائیں گے کہ تجھ پر ظلم نہیں ہوگا۔ تمام دفتر ایک پلڑے میں رکھ دیے جائیں گے اور کاغذ کا ٹکڑا دوسرے پلڑے میں رکھا جائے گا جس سے گناہوں کے دفاتر والا پلڑا اُوپر اُٹھ جائے گا اور توحید کا پلڑا بھاری ثابت ہوگا۔ کیونکہ اللہ رحمٰن ورحیم کے نام سے بڑھ کر کوئی چیز وزنی نہیں۔‘‘

❀...... ”عن أبي سعيد عن النبي ﷺ أن رجلا كان قبلكم رغسه الله مالا فقال لبنيه لما حضر: أيّ أب كنت لكم؟ قالوا خير أب قال فإني لم أعمل خيرا قط ، فإذا مت فأحرقوني ثم اسحقوني ثم ذروني في يوم عاصف ففعلوا ، فجمعه الله عزوجل ، فقال ما حملك؟ قال مخافتك فتلقاه برحمته . “

(رواه البخاري)

''حضرت ابو سعید خدری رضی اللہ عنہ نبی ﷺ سے بیان کرتے ہیں کہ تم سے پہلے ایک آدمی گزرا ہے جسے اللہ نے مال کی فراوانی عطا کی تھی۔ اس نے موت کے وقت اپنے بیٹوں سے کہا: میں تمہارا کیسا باپ تھا؟ بیٹوں نے کہا آپ بہترین باپ ہیں۔اس نے کہا کہ میں نے کبھی نیک عمل نہیں کیا۔جب مرجاؤں تو مجھے جلا کر میری راکھ کو ہوا میں اُڑا دینا، انھوں نے ایسا ہی کیا اللہ عزوجل نے اُسے زندہ کیا،اور پوچھا کہ تجھے اس کام پر کس چیز نے اُبھارا تھا؟ وہ کہے گا کہ آپ کے ڈر نے۔اللہ تعالیٰ نے اُسے اپنی رحمت میں لے لیا۔''

گویا توحید کی وجہ سے اسے معاف کر دیا جائے گا۔

نبی ﷺ اور اٹھارہ انبیاء کرام علیہم السلام کو حکم اگر تم نے شرک کیا تو......:

﴿وَلَقَدْ اُوْحِيَ اِلَيْكَ وَاِلَى الَّذِيْنَ مِنْ قَبْلِكَ لَئِنْ اَشْرَكْتَ لَيَحْبَطَنَّ عَمَلُكَ وَلَتَكُوْنَنَّ مِنَ الْخَاسِرِيْنَ ٥ بَلِ اللّٰهَ فَاعْبُدْ وَكُنْ مِنَ الشّٰكِرِيْنَ ٥ وَمَا قَدَرُوا اللّٰهَ حَقَّ قَدْرِهٖ وَالْاَرْضُ جَمِيْعًا قَبْضَتُهٗ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ وَالسَّمٰوٰتُ مَطْوِيّٰتٌ بِيَمِيْنِهٖ سُبْحٰنَهٗ وَتَعٰلٰى عَمَّا يُشْرِكُوْنَ٥﴾ [الزمر: ٦٥-٦٧]

''اور یقیناً آپ ﷺ کی طرف اور آپ سے پہلے انبیاء کی طرف وحی بھیجی گئی کہ اگر شرک کیا تو تمہارے عمل ضائع کر دیے جائیں گے اور تم نقصان پانے والوں میں ہو جاؤ گے۔ لہٰذا اے نبی تم اللہ ہی کی بندگی کرو اور شکر گزار بندوں میں سے ہو جاؤ۔ ان لوگوں نے اللہ کی قدر ہی نہیں کی جیسا کہ اس کی قدر کرنے کا حق ہے۔ قیامت کے دن پوری زمین اُس کی مٹھی میں ہوگی اور آسمان اس کے دائیں ہاتھ میں لپٹے ہوئے ہوں گے۔ اللہ اُس شرک سے پاک اور بالاتر ہے جو لوگ کرتے ہیں۔''

اللہ تعالیٰ نے قرآن مجید میں اپنے آپ کو ہر حوالے سے کائنات کا خالق، مالک، بادشاہ، کارساز اور خود مختار ثابت کیا ہے۔اس لیے ہر انسان کا فرض بنتا ہے کہ وہ اسی کا حکم تسلیم کرے اور اسی کی بندگی بجالائے۔لیکن کافر اور مشرک ایسا کرنے کے لیے تیار نہیں ہوتے۔ مکہ کے مشرک نہ صرف اس بات کے انکاری تھے بلکہ ان کی کوشش تھی کہ محمد ﷺ اس دعوت کو چھوڑ دیں یا کم از کم اس بات پر سمجھوتہ کر لیں کہ ہم اس کے الٰہ کی عبادت کریں گے اور وہ ہمارے معبودوں کی عبادت کرے۔(الکافرون)

اس پر آپ ﷺ کو حکم ہوا کہ ان جاہلوں سے فرما دیں کہ مجھے اللہ کے سوا دوسروں کی بندگی کے لیے کہتے ہو؟ حالانکہ اس نے میری طرف اور مجھ سے پہلے تمام انبیائے کرام علیہم السلام کی طرف وحی کی ہے کہ اگر شرک کیا تو ہر عمل ضائع ہو جائے گا اور نقصان پانے والوں میں شامل ہوگا۔ انبیاء علیہم السلام کا ذکر فرما کر اشارہ دیا ہے کہ ہر نبی کو انہیں الفاظ میں کہا گیا تھا کہ اگر تو نے شرک کیا تو تیرے تمام اعمال ضائع کر دیے جائیں گے۔

دوسرے مقام پر اٹھارہ انبیاء علیہم السلام کے نام لے کر ارشاد فرمایا:

﴿وَتِلْكَ حُجَّتُنَاۤ اٰتَيْنٰهَاۤ اِبْرٰهِيْمَ عَلٰى قَوْمِهٖ نَرْفَعُ دَرَجٰتٍ مَّنْ نَّشَآءُ اِنَّ رَبَّكَ حَكِيْمٌ عَلِيْمٌ ٥ وَوَهَبْنَا لَهٗۤ اِسْحٰقَ وَيَعْقُوْبَ كُلًّا هَدَيْنَا وَنُوْحًا هَدَيْنَا مِنْ قَبْلُ وَمِنْ ذُرِّيَّتِهٖ دَاوٗدَ وَسُلَيْمٰنَ وَاَيُّوْبَ وَيُوْسُفَ وَمُوْسٰى وَهٰرُوْنَ وَكَذٰلِكَ نَجْزِي الْمُحْسِنِيْنَ٥ وَزَكَرِيَّا وَيَحْيٰى وَعِيْسٰى وَاِلْيَاسَ كُلٌّ مِّنَ الصّٰلِحِيْنَ٥ وَاِسْمٰعِيْلَ وَالْيَسَعَ وَيُوْنُسَ وَلُوْطًا وَكُلًّا فَضَّلْنَا عَلَى الْعٰلَمِيْنَ٥ وَمِنْ اٰبَآئِهِمْ وَذُرِّيّٰتِهِمْ وَاِخْوَانِهِمْ وَاجْتَبَيْنٰهُمْ وَهَدَيْنٰهُمْ اِلٰى صِرَاطٍ مُّسْتَقِيْمٍ ٥ذٰلِكَ هُدَى اللّٰهِ يَهْدِيْ بِهٖ مَنْ يَّشَآءُ مِنْ عِبَادِهٖ وَلَوْ اَشْرَكُوْا لَحَبِطَ عَنْهُمْ مَّا كَانُوْا يَعْمَلُوْنَ٥﴾ [الأنعام: ٨٣-٨٨]

''اور یہ ہماری دلیل تھی جو ہم نے ابراہیم کو اس کی قوم کے مقابلے میں دی ہم جس کے چاہتے ہیں درجات بلند کرتے

ہیں بے شک آپ کا رب بڑی حکمت والا،خوب جاننے والا ہے۔اور ہم نے اسے اسحٰق اور یعقوب عطا کیے،ان سب کو ہدایت دی اور اس سے پہلے نوح کو ہدایت دی اور اس کی اولاد میں سے داود، سلیمان، ایوب، یوسف، موسیٰ اور ہارون کو (بھی ہدایت دی) اور اسی طرح ہم نیکی کرنے والوں کو جزا دیتے ہیں۔اور زکریا اور یحییٰ اور عیسیٰ اور الیاس کو یہ سب نیک لوگوں میں سے تھے۔اور اسماعیل اور یسع اور یونس اور لوط کو اور ان سب کو جہانوں پر فضیلت دی۔ اور ان کے باپ دادا اور ان کی اولاد اور ان کے بھائیوں میں سے اور ہم نے انہیں چن لیا اور انہیں سیدھے راستے کی طرف ہدایت دی۔یہ اللہ کی ہدایت ہے وہ اپنے بندوں میں سے جسے چاہتا ہے اس پر چلاتا ہے اور اگر یہ لوگ شریک بناتے تو جو عمل وہ کیا کرتے تھے ان کے ضائع ہوجاتے۔''

❀...... ﴿إِنَّ اللّٰهَ لَا يَغْفِرُ اَنْ يُّشْرَكَ بِهٖ وَ يَغْفِرُ مَا دُوْنَ ذٰلِكَ لِمَنْ يَّشَآءُ ۚ وَمَنْ يُّشْرِكْ بِاللّٰهِ فَقَدْ ضَلَّ ضَلٰلًا بَعِيْدًا ۝ اِنْ يَّدْعُوْنَ مِنْ دُوْنِهٖٓ اِلَّآ اِنٰثًا ۚ وَ اِنْ يَّدْعُوْنَ اِلَّا شَيْطٰنًا مَّرِيْدًا۝ لَّعَنَهُ اللّٰهُ﴾ [النساء: ١١٦-١١٨]

''ہرگز نہیں معاف کرے گا اللہ کہ اس کے ساتھ شریک کیا جائے،شرک کے علاوہ جس کے چاہے گناہ معاف فرما دیتا ہے اور جس نے اللہ کے ساتھ شرک کیا وہ دور کی گمراہی میں جا پڑا۔ یہ اللہ کو چھوڑ کر صرف دیویوں کی پرستش کرتے ہیں اور درحقیقت یہ صرف باغی شیطان کو پوجتے ہیں۔جس پر اللہ نے لعنت کی ہے۔''

❀...... عن أنس بن مالك عن النبي ﷺ قال يقول الله تعالى لأهون أهل النار عذابا يوم القيامة لو أن لك ما في الأرض من شيء أكنت تفتدي به فيقول نعم فيقول أردت منك أهون من هذا وأنت في صلب آدم أن لا تشرك بي شيئا فأبيت إلا أن تشرك بي .''

(رواه البخاري)

''حضرت انس بن مالک نبی ﷺ سے بیان کرتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں جسے قیامت کے دن آگ کا سب سے ہلکا عذاب دیا جائے گا اس سے پوچھا جائے گا کہ تیرا کیا خیال ہے کہ زمین میں جو کچھ ہے اگر وہ تیرے پاس ہوتو کیا جہنم کے عذاب کے بدلے دینے کے لیے تیار ہوگا؟ جہنمی کہے گا ہاں دوں گا۔ اللہ تعالیٰ فرمائیں گے میں نے تجھ سے اس سے ہلکی اور چھوٹی بات کا مطالبہ کیا تھا۔ میں نے تجھ سے تیرے باپ آدم کی پشت میں عہد لیا تھا کہ تو میرے ساتھ کسی کو شریک نہ کرے۔لیکن تو نے انکار کیا اور میرا شریک ٹھہرایا۔''

توحید اچھی موت اور جنت میں داخلے کا ذریعہ ہے،شرک بُری موت اور ابدی جہنم کا سبب بنے گا:

﴿إِنَّ الَّذِيْنَ قَالُوْا رَبُّنَا اللّٰهُ ثُمَّ اسْتَقَامُوْا تَتَنَزَّلُ عَلَيْهِمُ الْمَلٰٓئِكَةُ اَلَّا تَخَافُوْا وَلَا تَحْزَنُوْا وَاَبْشِرُوْا بِالْجَنَّةِ الَّتِيْ كُنْتُمْ تُوْعَدُوْنَ ۝ نَحْنُ اَوْلِيٰٓؤُكُمْ فِي الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا وَفِي الْاٰخِرَةِ وَلَكُمْ فِيْهَا مَا تَشْتَهِيْٓ اَنْفُسُكُمْ وَلَكُمْ فِيْهَا مَا تَدَّعُوْنَ ۝ نُزُلًا مِّنْ غَفُوْرٍ رَّحِيْمٍ۝﴾

[حم السجدة: ۳۰،۳۲]

''جن لوگوں نے کہا کہ اللہ ہمارا رب ہے اور اس پر ثابت قدم رہے یقیناً اُن پر ملائکہ نازل ہوتے ہیں جو ان سے کہتے ہیں کہ ڈرنے اور غم کھانے کی بجائے اُس جنت کے بارے میں خوش ہوجاؤ جس کا تم سے وعدہ کیا گیا ہے۔اس دنیا کی زندگی میں بھی ہم تمہارے ساتھی ہیں اور آخرت میں بھی، وہاں جو چاہو گے تمھیں ملے گا اور جس چیز کی تمنا کرو گے اُسے پاؤ گے۔یہ مہمان نوازی اُس رب کی طرف سے ہے جو غفور و رحیم ہے۔''

جن لوگوں نے کہا کہ ہمارا رب اللہ ہے پھر اس پر مرتے دم تک قائم رہے۔ان کی موت کے وقت ان کے لیے ملائکہ آتے ہیں جو انہیں تسلی دیتے ہیں کہ غمگین اور پریشان نہیں ہونا۔ بلکہ اس جنت کے ساتھ خوش ہو جاؤ جس کا تمہارے ساتھ وعدہ کیا گیا تھا۔ہم دنیا کی زندگی میں تمہارے ساتھ تھے اور آخرت میں بھی تمہارے ساتھ رہیں گے۔تمہارے لیے تمہارے رب کی طرف سے وہ سب کچھ ہے جو تمہارا دل چاہے گا اور تمہارے رب کے ہاں تمہاری مہمان نوازی ہوگی۔

❀...... ﴿وَلَوْ تَرٰٓى اِذِ الظّٰلِمُوْنَ فِيْ غَمَرٰتِ الْمَوْتِ وَالْمَلٰٓئِكَةُ بَاسِطُوْٓا اَيْدِيْهِمْ اَخْرِجُوْٓا اَنْفُسَكُمْ اَلْيَوْمَ تُجْزَوْنَ عَذَابَ الْهُوْنِ بِمَا كُنْتُمْ تَقُوْلُوْنَ عَلَى اللّٰهِ غَيْرَ الْحَقِّ وَكُنْتُمْ عَنْ اٰيٰتِهٖ تَسْتَكْبِرُوْنَ۝﴾ [الأنعام: ۹۳]

''اگر آپ دیکھیں جب ظالم لوگ موت کی سختیوں سے دوچار ہوتے ہیں تو فرشتے اپنے ہاتھ پھیلائے ہوئے کہتے ہیں کہ نکالو اپنی جانیں آج تمھیں ذلّت کا عذاب دیا جائے گا کیونکہ تم اللہ کے بارے میں ناحق باتیں کرتے تھے اور اس کی آیات سے تکبر کرتے تھے۔''

ظلم سے پہلی مراد شرک ہے:

❀...... ''عن عبد الله قال لما نزلت ﴿الَّذِينَ آمَنُوا وَلَمْ يَلْبِسُوا إِيمَانَهُمْ بِظُلْمٍ﴾ قال أصحاب رسول الله ﷺ أينا لم يظلم فأنزل الله عزوجل إن الشرك لظلم عظيم . '' (رواه البخاري: كتاب الايمان، باب ظلم دون ظلم)

''حضرت عبداللہ بیان کرتے ہیں جب یہ آیت نازل ہوئی ﴿الَّذِينَ آمَنُوا وَلَمْ يَلْبِسُوا إِيمَانَهُمْ بِظُلْمٍ﴾ رسول معظم ﷺ کے صحابہ رضی اللہ عنہم نے کہا کہ ہم میں سے کون ہے جس نے ظلم نہ کیا ہو تو اللہ تعالیٰ نے یہ آیت نازل فرمائی کہ بلاشبہ شرک بہت بڑا ظلم ہے۔''

❀...... ﴿وَقَالَ الْمَسِيْحُ يٰبَنِيْٓ اِسْرَآءِيْلَ اعْبُدُوا اللّٰهَ رَبِّيْ وَرَبَّكُمْ اِنَّهٗ مَنْ يُّشْرِكْ بِاللّٰهِ فَقَدْ حَرَّمَ اللّٰهُ عَلَيْهِ الْجَنَّةَ وَمَاْوٰىهُ النَّارُ وَمَا لِلظّٰلِمِيْنَ مِنْ اَنْصَارٍ۝﴾

[المائدة: ۷۲]

''بلاشبہ جو لوگ کافر ہوئے اور جنھوں نے کہا کہ اللہ ہی مسیح ہے جو مریم کا بیٹا ہے، حالانکہ مسیح نے کہا اے بنی اسرائیل! اللہ کی عبادت کرو جو میرا رب اور تمہارا رب ہے۔ بے شک حقیقت یہ ہے کہ جو بھی اللہ کے ساتھ شرک کرے یقیناً اس پر اللہ نے جنت حرام کر دی اور اس کا ٹھکانہ آگ ہے اور ظالموں کے لیے کوئی مدد کرنے والا نہیں۔''

❀...... ﴿وَسِيْقَ الَّذِيْنَ كَفَرُوْٓا اِلٰى جَهَنَّمَ زُمَرًا حَتّٰٓى اِذَا جَآءُوْهَا فُتِحَتْ اَبْوَابُهَا وَقَالَ لَهُمْ خَزَنَتُهَآ اَلَمْ يَاْتِكُمْ رُسُلٌ مِّنْكُمْ يَتْلُوْنَ عَلَيْكُمْ اٰيٰتِ رَبِّكُمْ وَيُنْذِرُوْنَكُمْ لِقَآءَ يَوْمِكُمْ هٰذَا قَالُوْا بَلٰى وَلٰكِنْ حَقَّتْ كَلِمَةُ الْعَذَابِ عَلَى الْكٰفِرِيْنَ۝ قِيْلَ ادْخُلُوْٓا اَبْوَابَ جَهَنَّمَ خٰلِدِيْنَ فِيْهَا فَبِئْسَ مَثْوَى الْمُتَكَبِّرِيْنَ۝﴾

[الزمر: ۷۲،۷۱]

''جن لوگوں نے کفر کیا انہیں جہنم کی طرف گروہ در گروہ ہانکا جائے گا جب جہنم کے قریب پہنچیں گے تو اس کے دروازے کھول دیے جائیں گے اور اس کے چوکیدار جہنمیوں سے پوچھیں گے کہ کیا تمہارے پاس تمھی میں سے رسول نہیں آئے تھے جنھوں نے تمہارے رب کی تمھیں آیات سنائی ہوں اور تمھیں اس بات سے ڈرایا ہو کہ تمھیں یہ دن دیکھنا ہو گا؟ جہنمی جواب دیں گے ہاں آئے تھے مگر عذاب کا فیصلہ کافروں پر ثابت ہوگیا۔ کہا جائے گا کہ جہنم کے دروازوں میں داخل ہو جاؤ، یہاں تمھیں ہمیشہ رہنا ہے، یہ متکبروں کے لیے بُرا ٹھکانہ ہے۔''



ماہِ محرم میں ظلم کے مظاہر

ریاض احمد عاقب اثری

ابتدائے آفرینش سے اللہ عزوجل نے سال کے مہینوں کی تعداد بارہ مقرر فرمائی اور ان بارہ مہینوں میں سے چار مہینے حرمت والے قرار دیے۔ ارشادِ باری تعالیٰ ہے:

﴿إِنَّ عِدَّةَ الشُّهُورِ عِندَ اللَّهِ اثْنَا عَشَرَ شَهْرًا فِي كِتَابِ اللَّهِ يَوْمَ خَلَقَ السَّمَاوَاتِ وَالْأَرْضَ مِنْهَا أَرْبَعَةٌ حُرُمٌ ذَٰلِكَ الدِّينُ الْقَيِّمُ فَلَا تَظْلِمُوا فِيهِنَّ أَنفُسَكُمْ﴾

[التوبة: ٣٦]

''بے شک مہینوں کی تعداد اللہ کے ہاں (لوحِ محفوظ میں) بارہ ہے، یہ اس دن سے ہے جب سے اللہ تعالیٰ نے آسمانوں اور زمین کو پیدا کیا ہے، ان میں سے چار مہینے حرمت کے ہیں، یہی مضبوط دین ہے لہٰذا تم ان مہینوں میں اپنی جانوں پر ظلم مت کرو۔''

آیت میں مذکور چار حرمت والے مہینے کون سے ہیں؟ اس کی وضاحت محمد رسول اللہ ﷺ نے یوں فرمائی ہے:

((السنة اثنا عشر شهرا، منها أربعة حرم، ثلاث متواليات: ذوالقعدة وذوالحجة والمحرم ورجب مضر الذي بين جمادى وشعبان.)) (صحيح بخاري، رقم الحديث: ٤٦٦٥)

''سال بارہ مہینوں کا ہوتا ہے، ان میں سے چار حرمت والے مہینے ہیں، تین مہینے تو مسلسل ہیں، یعنی ذوالقعدہ، ذوالحجہ اور محرم اور چوتھا رجب مضر ہے جو جمادی ثانیہ اور شعبان کے درمیان ہے۔''

اسلام نے جہاں دیگر مہینوں میں ظلم وستم، تعدی وسرکشی، جنگ وجدل اور معصیت ونافرمانی کی روک تھام کے لیے بے مثال ومؤثر قوانین وضع کیے ہیں وہیں ان حرمت والے مہینوں میں بالخصوص ظلم وزیادتی، اعتداء وسرکشی اور رب ذوالجلال والاکرام کی نافرمانی کے ارتکاب سے سختی سے منع کردیا ہے۔ لہٰذا حرمت والے مہینوں کا تقاضا ہے کہ ان میں ظلم ونافرمانی سے روکا جائے۔

اللہ عزوجل پوری کائنات کے خالق، مالک، مدبر، حاکم اور فعال لما یرید ہے۔ وہ فرشتوں میں سے جس فرشتے کو چاہے پیامبر بنا کر عزت بخشے، کتابوں میں سے جس کتاب کو چاہے اسے ''مہیمن'' کا رتبہ عطا فرمائے، پوری روئے زمین میں سے مساجد کو ''احب البلاد'' کا مرتبہ مرحمت فرمائے۔ رسولوں میں سے محمد رسول اللہ ﷺ کو ''سیّد الانبیاء'' کا مقام عطا فرمائے۔ دنوں میں سے یوم جمعہ کو ''سیّد الایام'' کا لقب عطا کرے۔ راتوں میں سے لیلۃ القدر کو ﴿خير من الف شهر﴾ قرار دے۔ اور مہینوں میں سے ماہِ رمضان اور حرمت والے مہینوں کو عظمت وعزت سے نوازے۔ اسے کوئی پوچھنے والا نہیں ہے۔ وہ العزیز، الجبار، الواحد، القہار ہے جو چاہتا ہے وہی کرتا ہے۔ تو اس مالک ارض وسماء نے ازل سے حرمت والے ان چار مہینوں کو عزت وحرمت بخشی ہے۔ زمانۂ جاہلیت میں بھی لوگ ان چار مہینوں کی حرمت وعزت کا خیال رکھتے تھے۔ وہ ان مہینوں میں آپس میں لڑتے جھگڑتے نہیں تھے، ظلم وستم سے اجتناب کرتے تھے۔ چوری ڈاکہ زنی سے پرہیز کرتے تھے۔ عرب کے کفار کی عادت تھی کہ وہ قافلے لوٹ

لیا کرتے تھے۔لیکن جب حرمت والے مہینوں کا آغاز ہوتا تو وہ ان میں عادات شنیعہ وقبیحہ سے رک جاتے تھے۔جس طرح عبدالقیس کی قوم نے نبی کریم ﷺ سے فرمایا تھا:

((إنا لا نأتيك إلا في الشهر الحرام .))

(صحيح بخاري، رقم الحديث: ٥٣، صحيح مسلم، رقم الحديث: ٢٦)

''ہم آپ کے پاس صرف حرمت والے مہینے میں آسکتے ہیں۔''

حرمت والے مہینے میں اس لیے آسکتے تھے کہ کفار مضر اِن مہینوں بالخصوص رجب میں ظلم وزیادتی اور چوری وڈکیتی سے رک جاتے تھے۔ جب جاہل لوگ ان مہینوں کی تعظیم وتقدیس کرتے تھے تو اسلام نے بھی ان کے احترام وتقدس کو برقرار رکھا اور ان مہینوں میں جنگ وجدال اور قتال کو کبیرہ گناہ قرار دیا اور ظلم وزیادتی کو حرام کردیا۔

محترم قارئین کرام! اللہ ارحم الراحمین نے آیت مذکورہ میں حرمت والے چار مہینوں کا تذکرہ فرمانے کے بعد ارشاد فرمایا:

﴿فَلَا تَظۡلِمُوۡا فِيۡهِنَّ اَنۡفُسَكُمۡ﴾ [التوبة: ٣٦]

''یعنی تم ان مہینوں میں (خصوصی طور پر) اپنی جانوں پر ظلم نہ کرو۔''

اس سے معلوم ہوا ان مہینوں میں ظلم وزیادتی حرام ہے۔

ظلم کا مفہوم:

اس آیت کی تفسیر میں اکثر مفسرین نے لکھا ہے کہ ظلم سے مراد اللہ تعالیٰ کی نافرمانی کا ارتکاب اور اطاعت ترک کرنا ہے۔(ملاحظہ ہو: تفسير طبرى: ١١/ ٤٤٣، المصباح المنير تهذيب تفسير ابن كثير: ١/ ٨٨)

امام ابن جوزی رحمہ اللہ نے ظلم کی تفسیر میں چار اقوال ذکر کیے ہیں، ان میں سے پہلا قول یہی ہے کہ ظلم سے مراد معصیت ونافرمانی ہے۔

(زاد المسير: ٣/ ٣٢٨)

تو مسلمان کو چاہیے ان حرمت والے مہینوں میں خصوصی طور پر اللہ تعالیٰ کی نافرمانی سے بچ جائیں کیونکہ ان میں نافرمانی کا گناہ کئی گنا بڑھ جاتا ہے۔ امام ابن کثیر رحمہ اللہ نے ترجمان القرآن ومفسر قرآن سیّدنا ابن عباس رضی اللہ عنہما سے نقل کیا ہے:

''اللہ تعالیٰ نے ظلم کو سال کے بارہ مہینوں میں حرام کیا ہے۔ پھر ان میں سے چار مہینوں کو خاص کردیا ہے کیونکہ ان میں برائی اور نافرمانی کا گناہ زیادہ ہوجاتا ہے اور نیکی اور عمل صالح کا ثواب بڑھ جاتا ہے۔''

(تفسیر ابن کثیر: ۳۹۱/۲)

امام قتادہ رحمہ اللہ ﴿فَلَا تَظۡلِمُوۡا فِيۡهِنَّ اَنۡفُسَكُمۡ﴾ کے بارے فرماتے ہیں:

''حرمت والے مہینوں میں ظلم کا گناہ اور بوجھ دوسرے مہینوں کی نسبت کئی گنا بڑھ جاتا ہے اور ظلم کا گناہ اگرچہ ہر وقت بڑا ہوتا ہے لیکن اللہ تعالیٰ جس مہینے کو چاہے اس میں ظلم کا گناہ اور بڑھا دے۔'' (تفسیر ابن کثیر: ۳۹۱/۲)

ظلم سے مراد ان مہینوں میں جنگ وجدال اور قتال سے رکنا بھی ہے جیسا کہ فرمانِ الٰہی ہے:

﴿يَسۡـَٔلُوۡنَكَ عَنِ الشَّهۡرِ الۡحَرَامِ قِتَالٍ فِيۡهِ قُلۡ قِتَالٌ فِيۡهِ كَبِيۡرٌ﴾ [البقرة: ٢١٧]

''لوگ آپ سے حرمت والے مہینے میں لڑائی کے بارے پوچھتے ہیں، آپ فرمادیں کہ اس میں لڑائی کرنا بڑا گناہ ہے۔''

اس آیت کے پس منظر سے یہی معلوم ہوتا ہے کہ زمانۂ جاہلیت میں بھی حرمت والے مہینوں کی بڑی تقدیس کی جاتی تھی اور ان میں قتل وغارت گری، لڑائی جھگڑے اور فسادات سے لوگ باز رہتے تھے۔ اسلام نے بھی ان کی حرمت کو برقرار رکھا۔ ان میں جنگ وجدال ناجائز قرار دیا۔ خود خاتم الرسل، رحمت مجسم، پیغمبر امن وسلامتی محمد رسول اللہ ﷺ حرمت والے مہینوں میں جہاد نہیں کرتے

تھے۔(كما في حديث أحمد: ٣/ ٣٤٦، ح: ١٤٧٤٥)

ہاں اگر دشمن اسلام حرمت کی پامالی کرتے ہوئے اہل اسلام پر یورش کرتے تو محمد مصطفیٰ ﷺ بہ حکم الٰہی اس کے مقابلے میں ضرور نکلتے تھے۔

برادرانِ اسلام!

اس تمہید کے بعد ناچیز اہل اسلام کی توجہ اس طرف مبذول کروانا چاہتا ہے کہ عصر حاضر میں جاہل مسلمان اور بالخصوص اہل تشیع ان حرمت والے مہینوں میں سے اہم مہینے محرم الحرام کی حرمت کا ارشاد باری تعالیٰ اور نبی ﷺ کے ارشادات کے مطابق احترام نہیں کرتے۔

محرم الحرام وہ محترم مہینا ہے جسے اللہ عزوجل کی طرف نسبت کرکے اس کی فضیلت وعظمت کو اُجاگر فرمایا گیا ہے۔جیسا کہ حدیث رسول علی صاحبها الصلاة والسلام میں ہے:

((أفضل الصيام بعد شهر رمضان صيام شهر الله المحرم.))

(صحيح مسلم، رقم الحديث: ١١٦٣)

''ماہ رمضان کے بعد سب مہینوں کے افضل روزے اللہ کے مہینے محرم کے ہیں۔''

اس حدیث میں محمد رسول اللہ ﷺ نے ماہِ محرم کو ''شهر الله'' (اللہ کا مہینا) فرما کر اس کے شرف کو واضح کیا ہے۔

جب یہ ماہ محرم اتنا عظیم ہے تو اس میں مسلمانوں کو اس میں نوحہ وماتم کرنے، اپنی جانوں کا خون بہانے، سب وشتم اور لڑائی جھگڑے، شرک وبدعات کے ارتکاب کرنے اور معصیت الٰہی سے اجتناب کرنا چاہیے تھا۔لیکن دیکھنے میں آتا ہے کہ لوگ اس کا کوئی تقدس ملحوظ نہیں رکھتے، اس طرح کی نافرمانیاں اور برائیاں کرنے کا رجحان عام ہے۔ ایک گروہ نے تو اس مہینے میں تعزیہ داری، ماتم ونوحہ گری، گریہ وزاری اور سب وشتم کی محافل برپا کرنے کو دین کا حصہ بنا رکھا ہے جو کسی بھی صاحب بصیرت سے مخفی نہیں۔

واضح رہے کہ یہ تمام امور دین اسلام کے سراسر منافی ہیں۔اسوۂ رسول ﷺ اور اہل بیت کے طرزِ عمل کے بالکل مطابق نہیں۔قرونِ اولیٰ فاضلہ میں یہ امور ہرگز مروّج نہ تھے۔قرآن وسنت میں ان کی مذمت کے احکام واضح ہیں۔ اصحابِ رسول رضوان اللہ علیہم اجمعین اور اہل بیت رضی اللہ عنہم کے شب وروز ان ایام میں ربّ ذوالجلال والاکرام کی عبادات میں گزرتے تھے۔ یہ قدسی جماعت نو، دس محرم کو رضائے الٰہی کے لیے روزے رکھتے تھے۔خود نواسۂ رسول سیّدنا حسین بن علی رضی اللہ عنہما کے عبادت گزار اور شب بیدار ہونے میں کس کو شک ہوسکتا ہے۔حقیقت میں ان کے عقائد واعمال سراسر اہل بیت کے عقائد واعمال کی ضد ہیں۔

وہ توحید وسنت کے علم بردار اور یہ شرک وبدعات کا پرچار کرنے والے۔

وہ ربّ ذوالجلال والاکرام کو مشکل کشا ماننے والے اور یہ مخلوق کو مشکل کشا قرار دینے والے۔

وہ صاحب عمل وکردار اور یہ عمل وکردار سے عاری۔

وہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم سے محبت کرنے والے اور ابوبکر وعمر اور عثمان رضی اللہ عنہم کو افضل کہنے والے اور یہ ان کی تنقیص میں کوشاں۔

نوکِ قلم سے صفحۂ قرطاس پر جو مرتسم ہو رہے ہیں یہ محض جذبات کی ترجمانی ہرگز نہیں بلکہ یہ وہ حقائق ہیں جو آپ ان ایام میں ہمیشہ اپنے اردگرد کے ماحول میں دیکھتے ہیں۔ ان کا محمد مصطفیٰ ﷺ کے دین سے کوئی تعلق نہیں۔

اہل تشیع حضرات کو ٹھنڈے دل سے ان مروّجہ امور پر غور وفکر کرنا چاہیے کہ کیا ہم جو کام کر رہے ہیں ان کی سند ودلیل دین اسلام یا اہل بیت رضی اللہ عنہم کے عمل سے ملتی ہے یا نہیں؟ میں ''الدين النصيحة'' کے تحت برادرانہ طور پر یہ نگارشات پیش کر رہا ہوں تاکہ وطن عزیز

سے انتشار ومعصیت الٰہی کا خاتمہ ہو جائے۔ یہ نوحہ گری وماتم اسلام کی تعلیمات کے بالکل منافی ہے۔ اسلام بندۂ مومن کو صبر کا درس دیتا ہے۔ یہ دنیا آزمائش وابتلاء سے عبارت ہے اور اس میں صابرین کے لیے بڑی خوشخبریاں ہیں۔ اسلام نے تو شہید کو بڑے مقام ومرتبہ سے نوازا ہے۔ اس کی شہادت پر بڑے انعامات ونوازشات کا اعلان کیا ہے۔ اہل ایمان کو تو ''شہداء'' کی شہادت پر صبر کا مظاہرہ کرنا چاہیے تھا نہ کہ گریہ وزاری اور نوحہ گری کر کے ظلم وتعدی۔ یہ اسلام کے مزاج کے خلاف ہے۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے کہ

''ان حرمت والے مہینوں میں تم نے اپنے اوپر ظلم نہیں کرنا۔'' (التوبۃ:۳۶)

ان محافل نوحہ وماتم سے محمد رسول اللہ ﷺ نے براءت کا اظہار کیا ہے کیونکہ یہ جاہلیت کے امور سے ہیں۔ جناب حسن وحسین رضی اللہ عنہما کے نانا محمد مصطفیٰ ﷺ کا فرمان ہے:

((ليس منا من ضرب الخدود وشق الجيوب، ودعا بدعوى الجاهلية .))

(صحيح بخاري، رقم الحديث: ۱۳۹۷)

''جو شخص اپنے رخسار پیٹے، گریبان چاک کرے اور جاہلیت کی پکار پکارے وہ ہماری ملت سے نہیں ہے۔''

اس سے معلوم ہوا کہ یہ مروّجہ نوحہ گری وسینہ کوبی حرام ہے۔ کون مسلمان ہے جسے نواسۂ رسول جگر گوشۂ بتول سیّدنا حسین رضی اللہ عنہ کی شہادت پر غم وافسوس نہ ہو؟ یقیناً تمام اہل اسلام کو ان کی شہادت پر حزن وملال ہے۔ ان کی شہادت کا تقاضا یہ ہے کہ صبر وتحمل کا مظاہرہ کیا جائے اور ان کے عقائد واعمال کو اپنایا جائے۔







سیرت وسوانح

قسط نمبر ③

تذکرہ حافظ محمد دین سرگودھوی رحمہ اللہ

عطاء محمد جنجوعہ

تعلق باللہ:

محترم حافظ محمد دین موحد، متوکل اور متقی تھے۔ وہ اللہ سبحانہ کے دربار میں عاجزی وانکساری اختیار کرنے والے تھے۔ وہ خوشی کے موقع پر اللہ کا شکر ادا کرتے۔ اور دکھ تکلیف کے وقت صبر ورضا کا دامن تھام لیتے۔ جب کوئی نیا کام سرانجام دینا ہوتا تو آپ استخارہ کے ذریعے اللہ تعالیٰ سے رجوع کرتے۔ جب آپ کو کوئی مشکل درپیش آتی تو آپ صلاۃ حاجت پڑھتے دینی ودنیوی امور میں ذراسی کوتاہی ہوجاتی تو خشوع وخضوع سے توبہ واستغفار کرتے۔

حافظ صاحب کی زندگی کا مقصد اللہ کی رضا کا حصول رہا۔ اس کی خاطر لوگوں کی پروانہ کی۔ انھوں نے لوگوں کی ناراضگی مول لے لی لیکن اللہ کی نافرمانی نہ کی۔ آپ فارغ اوقات میں ذکر واذکار میں مشغول رہتے۔ حافظ صاحب اکثر فرماتے جس طرح انسانی جسم کی نشوونما کے لیے عمدہ خوراک کی ضرورت ہوتی ہے۔ اسی طرح روح کی تروتازگی کے لیے ذکر الٰہی ضروری ہے۔ آپ صبح کی نماز کے بعد کثرت سے قرآنِ حکیم کی تلاوت کرتے۔ عمر کے آخری حصہ میں شوگر کی وجہ سے نقاہت ہوگئی تو سہارے سے مسجد میں آکر باجماعت نماز ادا کرتے رہے۔

آپ رمضان المبارک میں نمازِ تراویح میں قرآنِ حکیم سناتے۔ نماز کے بعد اس کا خلاصہ بیان کرتے۔ آج کل لوگ دوستوں کی گھروں میں افطاری کراتے ہیں وہ عموماً مسجد میں باجماعت نماز سے محروم ہوجاتے ہیں۔ حافظ صاحب نے اس کے ازالے کے لیے مسجد میں ہر روز اجتماعی افطاری کا اہتمام شروع کیا۔ گاؤں کے جماعتی احباب کاروبار وملازمت کے سلسلہ میں پنڈی، لاہور، کراچی میں رہتے۔ وہ عید الفطر سے قبل گاؤں آتے تو آپ اُن کے لیے خصوصی افطاری کا انتظام کرتے۔

نمازِ مغرب کے وقت بچے شور کرتے تو بعض نمازی اُن کو سختی سے ڈانٹتے۔ حافظ صاحب کو سخت کوفت ہوتی۔ آپ حکمت عملی سے اُن کو سمجھاتے کہ مسجد پیار والفت کا گھر ہے اگر آپ بچوں سے سختی کریں گے تو بچے مسجد سے دور ہوجائیں گے۔ اس پنیری کی آبیاری کرو، پیار سے سمجھاؤ تو یہی بڑے ہوکر ثمر آور درخت بنیں گے۔

آپ نے حج کی سعادت بھی حاصل کی۔ جب آپ کے بیٹے جدہ میں کاروباری لحاظ سے سکونت پذیر ہوگئے تو آپ نے یکے بعد دیگرے نو مرتبہ حج کی سعادت حاصل کی۔

مکرم برادرم حافظ محمد دین کے ساتھ متعدد بار کھانا کھانے کا موقع ملا۔ قلیل مقدار میں تناول فرماتے۔ اصرار کرنے پر فرماتے: صرف اتنا کھانا چاہیے کہ انسان کی کمر سیدھی رہے۔ اور اُس کی صحت برقرار رہے۔ تاکہ اللہ کی عبادت میں کوتاہی نہ ہو۔ شروع میں بسم اللہ پڑھتے اور ہر لقمہ کے بعد الحمد للہ کہنا اُن کا معمول تھا۔

توکل علی اللہ:

حافظ محمد دین میں توکل کا وصف بہ درجہ اتم موجود تھا۔ توکل کیا ہے؟ تدبیر کرکے اللہ قدیر پر بھروسہ کرنا۔ چوہدری محمود راوی ہے کہ مدرسہ حسان البنات کی تعمیر کے وقت ہمارے پاس صرف ڈیڑھ لاکھ روپے تھے۔ میں نے پریشانی ظاہر کی تو حافظ صاحب نے فرمایا حرکت کریں گے اللہ برکت عطا فرمائے گا۔ ہم دونوں نے اپنی طرف

سے ایک ایک لاکھ روپے فنڈ میں جمع کیے۔ اس کی تعمیر پر بارہ لاکھ روپے خرچ ہوئے۔ محترم حافظ صاحب کی مساعی جمیلہ سے مدرسہ کی عمارت مکمل ہوگئی اور وافر رقم بھی بچ گئی۔

کچھ عرصہ بعد سیم تھور کی وجہ سے اس مدرسہ کا فرش اور دیواریں خستہ حال ہوگئیں تو عبدالرؤف بن حافظ محمد دین کی زوجہ عائشہ بنت عطاء محمد سباجی نے طلائی چوڑیوں کا عطیہ دیا جس کو ایک لاکھ نوے ہزار روپے میں فروخت کرکے فرش پر ٹائل کا کام مکمل کیا گیا۔ حافظ صاحب نے اس کی دیواروں پر ٹائل لگوانے کی خواہش ظاہر کی تو آپ کے بیٹے حافظ عبدالماجد نے ایک لاکھ اور ۲۳ چک کے بیت المال سے دو لاکھ اور چند بیرونی احباب نے پچاس ہزار کے عطیات عنایت کیے۔ انسان خلوصِ نیت سے مسجد و مدرسہ کا کام شروع کرتا ہے، ساتھیوں کے مشورہ سے تدبیر کرتا ہے، اللہ سبحانہ وتعالیٰ اُن کی حرکت پر نصرت کے دروازے کھول دیتا ہے۔

حافظ محمد دین اپنے اور بیگانوں کے ساتھ نہایت اخلاق سے پیش آتے۔ چوہدری محمد حسین ارائیں مذہبی وسیاسی طور پر آپ کا مخالف تھا۔ اس کے باوجود وہ آپ کی تعریف میں رطب اللسان رہتا تھا کہ حافظ صاحب نے گاؤں میں آکر کسی سے غلط بیانی نہیں کی۔ اُن کی زبان سے گالی گلوچ کا لفظ نہیں سنا۔ تیسری خوبی یہ بیان کرتا تھا کہ حافظ صاحب دنیا ومافیہا سے بے خبر ہوکر سکون سے نماز پڑھتے ہیں۔ وہ مخالفت کے باوجود آپ کے اخلاق کریمانہ کا گرویدہ تھا۔ اُس نے اپنی اولاد کو وصیت کی تھی کہ جب میری موت آئے تو حافظ محمد دین نماز جنازہ پڑھائیں۔ اور لواحقین نے اس پر عمل کیا۔

والدین کے ساتھ تعلق:

اسلام اتحاد و یک جہتی اور امن وسلامتی کا درس دیتا ہے۔ اللہ نے قرآنِ حکیم میں والدین کی اطاعت اور خدمت کرنے کی تاکید کی ہے:

''تمھارے رب نے فیصلہ کردیا ہے کہ تم لوگ سوائے اس کے کسی کی عبادت نہ کرو اور والدین کے ساتھ نیک سلوک کرو اگر تمھارے پاس ان میں سے کوئی ایک یا دونوں بوڑھے ہوکر رہیں تو انھیں اف تک نہ کہو اور نہ انھیں جھڑک کر جواب دو بلکہ اُن سے احترام کے ساتھ بات کرو اور نرمی اور رحم کے ساتھ ان کے سامنے جھک کر رہو اور دعا کیا کرو کہ پروردگار! ان پر رحم فرما جس طرح انھوں نے شفقت کے ساتھ مجھے بچپن میں پالا تھا۔'' (بنی اسرائیل: ۲۳،۲۴)

ملت اسلامیہ کے اتحاد کا راز خاندانی نظام کے استحکام میں ہے جس کا پہلا زینہ والدین کی خدمت ہے۔ لوگ مادہ پرستی کے دور میں عموماً والدین کو بوجھ سمجھتے ہیں اور اپنے اہل وعیال کی خواہشات کی تکمیل میں مگن رہتے ہیں اور والدین کی خیریت دریافت کرنے کی انھیں توفیق نہیں ہوتی۔ چنانچہ حافظ صاحب عقیدہ توحید کے بعد والدین کی خدمت پر زیادہ زور دیتے ہیں۔ آپ کی تقریر میں تاثیر اس لیے ہوتی کہ وہ والدین کی خدمت کو اپنے لیے سعادت سمجھتے تھے۔

محترم حافظ صاحب مسجد کی خدمت پر مامور ہوئے تو آپ والدین کو ہمراہ لائے۔ اُن کے خور ونوش اور بود و باش کا خصوصی خیال رکھتے۔ کھانا اُن کی مرضی کے مطابق پکتا۔ اُن کو ذرا سی تکلیف کی شکایت ہوتی تو فوراً طبیب سے رجوع کرتے۔ والدین کے ہمراہ روٹی کھانا اُن کا معمول رہا۔ حافظ صاحب نے گھر سے باہر سفر پر جانا ہوتا تو اُن سے اجازت طلب کرتے۔ اجازت مل جاتی تو اُن سے دعا کی درخواست کرتے اور واپسی پر والدہ کی خدمت میں حاضری دیتے اور سفر کی روداد سناتے۔ وہ خود کسی کام کے سلسلہ میں بلاتے تو آپ سب کام چھوڑ کر اُن کی آواز پر لبیک کہتے۔ محترم حافظ صاحب خاندانی فیصلوں میں اپنے والدین کی رائے پر عمل کرتے تھے۔

محترم حافظ صاحب اپنے والدین کی وفات کے بعد بھی درج ذیل فرمانِ نبوی ﷺ کے مطابق اُن کی خدمت کرتے رہے:

''ایک مرتبہ قبیلہ بنی سلمہ کا ایک آدمی آیا اور عرض کیا اے اللہ کے رسول! کیا کوئی نیکی بچی ہے جسے میں اپنے والدین کے مرنے کے

بعد اُن کے لیے کروں۔ آپ نے فرمایا: اُن کے لیے دعا کرنا، استغفار کرنا، اُن کے بعد اُن کے عہد کو پورا کرنا، اُن کے رشتوں کو جوڑنا اوران کے دوستوں کی عزت اوراحترام کرنا۔'' (مسند احمد)

محترم حافظ صاحب حقوق اللہ کی ادائیگی میں احادیث رسول پر عمل کرتے تھے۔ اسی طرح حقوق العباد کے معاملہ میں عامل بالسنہ تھے۔ آپ کے والدین نے کوٹ بھائی خان میں زندگی بسر کی۔ آپ کو اس دھرتی کے مکینوں سے اُنس تھا۔ یہاں کا کوئی شخص دوائی لینے یا دم کرانے کے لیے آپ کے پاس پہنچ جاتا تو آپ بے لوث خدمت کرتے۔ حافظ صاحب کے بزرگوں کی جن خاندانوں سے دوستی تھی حافظ صاحب نے اس تعلق کو قائم رکھا۔

رشتہ داروں سے صلہ رحمی:

اسلام میں رشتہ داروں میں صلہ رحمی کرنے کا حکم ہے۔ اللہ سبحانہ وتعالیٰ نے فرمایا:

''اور تم سب اللہ تعالیٰ کی بندگی کرو اس کے ساتھ کسی کو شریک نہ بناؤ۔ ماں باپ کے ساتھ نیک برتاؤ کرو۔ قرابت داروں، یتیموں اور مسکینوں کے ساتھ حسن سلوک سے پیش آؤ اور پڑوسی رشتہ داروں سے، اجنبی ہمسایہ سے، پہلو کے ساتھی سے اور مسافر سے احسان کا معاملہ رکھو۔'' (النساء:۳۶)

رشتہ دار وہ لوگ ہوتے ہیں جن کا انسان سے نسب کے واسطہ سے تعلق ہو خواہ ان کو میراث سے حصہ ملتا ہو یا نہ ملتا ہو۔ محسن انسانیت ﷺ نے فرمایا جو رشتوں کو جوڑتا ہے اللہ تعالیٰ بھی اسے جوڑتا ہے اور جو رشتوں کو کاٹتا ہے اللہ تعالیٰ بھی اسے کاٹ دیتا ہے۔ (ماخوذ ترمذی)

سیّدنا انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: جو شخص یہ چاہتا ہے کہ اس کے رزق میں کشادگی کردی جائے اوراس کی عمر دراز کردی جائے تو وہ صلہ رحمی کرے۔ (صحیح بخاری)

حافظ صاحب کے حقیقی چچا اور ماموں نہ تھے آپ کے والد نے شرافت اورکسب حلال میں سیاجی خاندان کو مخلص پایا اس لیے انھوں نے حافظ صاحب اور ان کی بہن کا رشتہ ان میں کر دیا۔ دونوں خاندان ایک دوسرے کے دکھ سکھ کے ساجھی رہے۔ کسی قسم کا خانگی تنازعہ رونما نہیں ہوا۔

آپ کا بہنوئی عطا محمد سیاجی ڈیرہ ڈوگھہ میں رہائش پذیر تھا۔ وہاں دینی ودنیوی تعلیم کا اہتمام نہ تھا۔ حافظ صاحب نے بھانجے غلام محمد کو اپنے پاس بلا لیا، سکول کی تعلیم دلوائی۔ آپ نے بیٹی کا بہن کے بیٹے سے رشتہ کرکے اپنے والدین کی قبر کو ٹھنڈک پہنچائی۔ پہلے سے قائم خاندانی تعلق کو مزید مستحکم کیا۔

حافظ صاحب کے ایک بیٹے عبدالماجد نے خاندان سے باہر ایک دینی گھرانے میں شادی کی ورنہ باقی بیٹوں اور بیٹیوں کی شادی بھائیوں کی اولاد سے کی۔

محترم حافظ صاحب والدین کے رشتہ داروں اور دوستوں کے دکھ سکھ میں شریک ہوتے رہے اور باپ کے محسنوں سے حسن سلوک کرتے رہے۔

رشتہ داروں کو تبلیغ:

حافظ صاحب کے سسرال کوٹ بھائی خان کے داخلی رقبہ ڈیرہ ڈوگھہ میں مزارعت پر کاشت کرتے تھے۔ ماسوائے دو بزرگوں کے باقی افراد نماز میں سستی کا مظاہرہ کرتے تھے۔ محترم حافظ صاحب دینی تعلیم سے فارغ ہوکر ۲۳ چک کی مسجد کی خدمت پر مامور ہوگئے۔ خاندانی تعلق کی وجہ سے آمد ورفت رہی۔ انھوں نے وعظ ونصیحت کی، بچوں نے حفظ کرنا شروع کیا۔ مسجد تعمیر ہوئی مستقل امام کی خدمات حاصل کی گئیں۔ حافظ صاحب مہینے میں ایک دو دفعہ درس دینے کے لیے تشریف لاتے رہے۔ اُن کی تبلیغ سے گرد ونواح کے ڈیروں کے احباب بھی نمازی بن گئے۔ عورتیں جو کھیتوں میں کھلے عام کام کرتی تھیں انھوں نے پردہ کو اپنا زیور سمجھ لیا اور ربّ کی طرف رجوع کرلیا۔ اللہ سبحانہ وتعالیٰ نے اُن کی زرعی فصلوں میں برکت عطا فرمائی۔ آج وہ زرخرید زمین کے مالک ہیں۔

کوٹ بھائی خان میں حافظ صاحب کی برادری کا اللہ بخش عرف گوہر لک رہتا تھا جو پہلے مزارع پر کاشتکاری کرتا تھا۔ جب زمینداروں نے خود کاشت شروع کردی تو وہ مزدوری کرتا تھا۔ رزق حلال سے بچوں کا پیٹ پالتا تھا۔ مسجد کا بے لوث خادم اور مؤذن تھا۔ وہ ہر سال رمضان المبارک میں باقاعدگی سے اعتکاف بیٹھتے تھے۔ اُن کی چار لڑکیاں تھیں جب وہ فوت ہوگئے۔ حافظ صاحب اُن کی کفالت اور رخصتی تک سرپرستی کرتے رہے۔ حافظ صاحب کے حکم پر میں نے پختہ کمرہ، لیٹرین اور کچن تعمیر کرایا اور اس کے تمام اخراجات انھوں نے ادا کیے۔ جب مقامی صاحب نے پوچھا کہ اب خاتون کی بچیاں شادی شدہ ہیں آپ اتنا خرچہ کیوں کررہے ہیں تو محترم حافظ صاحب نے فرمایا: پہلی بات تو یہ ہے کہ میرے رشتہ دار کی بیوہ ہے۔ اس کے نواسے اور نواسیاں ملنے آتی ہیں، تیمار داری کے لیے انھیں کئی دن ٹھہرنا پڑتا ہے۔ وہ خوش وخرم ہوکر رہیں انھیں کسی قسم کی دقت نہ آئے۔ دوسری وجہ یہ ہے اس کے مرحوم خاوند کا میرے باپ پر احسان تھا۔ ایک دفعہ میرے والد بیماری کی وجہ سے زرعی کام کام کاج کے اہل نہ رہے تو اس دوران گوہر لک نے ہل چلائے، کھیتوں کو پانی دیا اور مویشیوں کی نگرانی کی۔ جب میرے والد تندرست ہوگئے تو اُس وقت اجازت لے کر رخصت ہوئے۔ حافظ صاحب کہنے لگے کہ میں والد کی وصیت پر ان کی نگہداشت کرتا ہوں۔ (باقی آئندہ)

ضروری گزارش

مولانا عبدالکریم گرنتھی فیروزپوری پنجابی کے مشہور شاعر تھے جو حضرت الامام سیّد عبدالجبار غزنوی رحمہ اللہ کے مرید اور شاگرد تھے۔ انھیں ''امین خاندان غزنویہ'' کہا جاتا تھا۔ انھوں نے اپنے عظیم المرتبت استاد اور مرشد کی وفات پر پنجابی نظم میں چند صفحات پر مشتمل ایک رسالہ لکھا تھا، جس کا عنوان تھا:

''جھوک ہادی میرے عبدالجبار دی''

اس میں غزنوی علمائے کرام کا تذکرہ خوب صورت انداز میں کیا گیا ہے۔ مجھے اس رسالے کی ضرورت ہے۔ اگر کسی دوست کے پاس ہو اور وہ مجھے اس کی فوٹو کاپی بھیج دیں تو شکرگزار ہوں گا۔ آٹھ یا دس صفحات کا رسالہ ہے۔

۱: محمد اسحاق بھٹی، مکان نمبر 13، جناح سٹریٹ نمبر 20، اسلامیہ کالونی، ساندہ، لاہور۔

۲: محمد اسحاق بھٹی، معرفت ہفت روزہ ''الاعتصام'' 31۔ شیش محل روڈ، لاہور۔

تبصرۂ کتب

تبصرے کے لیے کتاب کے دو نسخوں کا آنا ضروری ہے

پیامِ مصطفیٰ ﷺ کی کرنیں

مؤلف: حمید اللہ خان عزیز
ضخامت: ۲۰۰ صفحات
ناشر: ادارہ تفہیم الاسلام، محلّہ رحمان آباد، گلی الفلاح بنک والی احمد پور شرقیہ، بہاول پور
تبصرہ نگار: محمد سلیم چنیوٹی

نبی کریم ﷺ کی زبانِ صدق بیان سے کوئی حرف، کوئی لفظ اور کوئی کلمہ مرضیِ مولائے کریم کے بغیر ادا نہیں ہوا۔ آپ ﷺ نبی آخر الزماں اور اُمّی تھے مگر ساری کائنات سے بلند وبالا، ارفع واعلیٰ مقام آپ ﷺ کو عطا ہوا۔ جس طرح اللہ کریم نے آپ ﷺ کے ذکر کو بلند فرمایا ہے، اسی طرح آپ علیہ السلام کے اقوال، افعال کو بھی بلندی عطا فرمائی ہے۔ آپ ﷺ جو فرماتے تھے اسے ''حدیث'' قرار دیا گیا اور آپ ﷺ جو اُمور انجام دیتے اسے ''سنت'' کہا گیا۔ آپ ﷺ کی ہر ادا، ہر حدیث اور ہر سنت انسانیت کے دائرے میں رہنے والوں کے لیے مشعل راہ ہے۔ جو کوئی بھی اس پر عمل پیرا ہوگا یقیناً کامیاب وکامران ہوگا۔ ان شاء اللہ

محترم حمید اللہ خان عزیز ایک علم دوست ساتھی ہیں۔ احمد پور شرقیہ بہاول پور سے ایک ماہنامہ ''تفہیم الاسلام'' بھی نکالتے ہیں۔ قرآن وحدیث کی سچی تعلیمات کا فروغ ان کا مشن اور مقصد ہے۔ اسی مقصد کی تکمیل وترویج کی خاطر انھوں نے زیر تبصرہ کتاب ''پیامِ مصطفیٰ ﷺ کی کرنیں'' ترتیب وطبع کی ہے۔ آقائے کریم ﷺ کے چنیدہ اقوال واحادیث مبارک انھوں نے کئی ایک کتب سے باحوالہ درج کر کے محبت خاتم النّبیین ﷺ کا ثبوت دیا ہے۔ اللہ کریم بھی ایسے شخص کو تروتازہ رکھتا ہے جو اللہ اور رسول ﷺ کی تعلیمات سے پیار کرتا ہے، انھیں یاد کرتا ہے اور آگے پہنچا دیتا ہے۔

زیر تبصرہ کتاب میں احادیث مبارک کے موتی چنے گئے ہیں۔ ہر شخص کو یہ کتاب پڑھنی چاہیے اور اس کے مطابق عمل پیرا ہونے کی طرف توجہ کرنی چاہیے۔ اللہ کریم مؤلف کی محنت ومحبت رسول اللہ ﷺ قبول فرمائے۔ کتاب کمپیوٹر کمپوزنگ، دوصد صفحات پر مشتمل اور خوب صورت مجلد ہے۔ قیمت درج نہیں۔

تاریخ اہل حدیث

مرتب: محترم ڈاکٹر محمد بہاء الدین (برطانیا)
ضخامت: ۷۳۵ صفحات
خصوصیات: اعلیٰ کاغذ، مضبوط جلد، خوب صورت ٹائٹل، بہترین طباعت
ناشر: جناب محمد سرور عاصم، مکتبہ اسلامیہ بالمقابل رحمان مارکیٹ، غزنی سٹریٹ، اردو بازار، لاہور
تبصرہ نگار: محمد سلیم چنیوٹی

تاریخ اہل حدیث یعنی حدیث صحیحہ کے ساتھ تمسک رکھنے والوں کی تاریخ سے آگاہی ہر اُس شخص کے لیے دلچسپی کا باعث ہے جو تاریخ کو پڑھتا اور اس کے خطوط کو سمجھتا ہے۔ اس موضوع پر کئی ایک صاحب فہم وفراست اور اہل علم وقلم کی کتب منصۂ شہود پر آ چکی ہیں۔ تحریک اہل حدیث، لقب اہل حدیث، مسلک اہل حدیث وغیرہ جیسے موضوعات پر خامہ فرسائی ہو چکی تھی۔ ہر کتاب کا اپنا انداز، اپنا مقام ومرتبہ ہے۔ لیکن ہمارے ممدوحِ گرامی ڈاکٹر بہاء الدین صاحب جو برطانیا میں بیٹھ کر ایک ایسی خدمت سرانجام دے رہے ہیں کہ جس کی جتنی بھی تعریف وتحسین کی جائے وہ کم ہے۔

تاریخ اہل حدیث کی پہلی جلد پاکستان میں مکتبہ اسلامیہ کے روح رواں جناب محمد سرور عاصم صاحب کو شائع کرنے کی سعادت حاصل ہوئی۔ اب تک چار جلدیں ہندوستان میں شائع ہوچکی ہیں اور امید ہے کہ یہ سلسلہ دس ضخیم جلدوں تک پہنچنے والا ہے۔ اس کے علاوہ ڈاکٹر صاحب موصوف تحریک ختم نبوت کو بھی مرتب کررہے ہیں۔ اب تک اس سلسلے کی پندرہ ضخیم جلدیں چھپ چکی ہیں اور مزید پر کام ہو رہا ہے۔ دیکھیں کہاں تک یہ سلسلہ چلتا ہے۔ اللہ کریم مؤلف ومرتب کو صحت سے نوازے اور ان کے دم قدم میں برکت فرماتا رہے۔

بابائے تبلیغ حضرت مولانا محمد عبداللہ صاحب گورداس پوری رحمہ اللہ کے یہ صاحب زادۂ گرامی قدر نے جس عمدہ طریقے سے تواریخ کو مرتب فرما دیا ہے۔ وہ یقیناً کسی بڑی جماعت یا انجمن کے کرنے کا کام تھا۔ جسے اکیلے ڈاکٹر بہاء الدین (ڈاکٹر محمد سلیمان اظہر حفظہ اللہ) نے انجام دے دیا ہے۔

''تاریخ اہل حدیث'' میں ڈاکٹر صاحب نے اہل حدیث کی قدامت، اہل حدیث کا وجود دورِ نبوی ﷺ سے انسلاک اور عاملین بالحدیث یعنی صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین کے ساتھ ثابت کیا ہے اور یہ ہے بھی حقیقت کہ اہل حدیث اُس وقت سے ہیں جب سے ''حدیث'' ہے۔

ڈاکٹر صاحب موصوف نے اہل حدیث کے امتیازی مسائل رفع الیدین، فاتحہ خلف الامام، آمین بالجہر، نماز میں سینے پر ہاتھ باندھنا، رفع سبابہ (انگشت شہادت اٹھانا)، دیہات میں جمعۃ المبارک، نماز تراویح، طلاق ثلاثہ، مفقود الخبر کی بیوی کا حکم، مسئلہ علم غیب، وغیرہ کو مفصل ومدلل فرمایا ہے۔

''تاریخ اہل حدیث'' میں برصغیر کے اکابر علمائے کرام بلا تفریق مسلک کے حالات وواقعات، یعنی تراجم علماء کو بھی جگہ دی گئی ہے اور ان کے شاگردوں یا خود ان کا تحریک اہل حدیث سے متاثر ہونا یا اہل حدیث سے اختلاف کرنے کی وجوہ بھی بیان فرمائی ہیں۔

تقلید کی تعریف، تقلید کا وجود کب ہوا، تقلید کا جواز وفائدہ ہے بھی یا نہیں۔ اس کے مقابل اطاعت رسول ﷺ، قدامت مذہب اہل حدیث، اتباع سنت رسول اللہ ﷺ، عمل بالحدیث عہد صحابہ اور تابعین میں، اس کے بعد ہر دور میں عمل بالحدیث کا وجود ثابت کیا گیا ہے۔

تراجم کے سلسلے سیّد نذیر حسین صاحب محدث دہلوی، مولانا ابوالکلام آزاد، سرسیّد احمد خان، ڈپٹی امداد علی، شاہ احمد رضا خان فاضل بریلوی، ارشاد حسین رام پوری، شاہ محمد اسماعیل دہلوی، سیّد اولاد حسن قنوجی، بشیر الدین قنوجی، ابوالوفاء مولانا ثناء اللہ امرتسری، جمال الدین دہلوی، حسن علی صغیر محدث، میاں غلام رسول قلعوی، خرم علی بلہوری، عبدالحق بنارسی، مولانا رشید احمد گنگوہی، مولانا عبدالعزیز رحیم آبادی، محمد صاحب شاہ جہاں پوری، مولانا محمود الحسن دیوبندی، شاہ مخصوص اللہ، مولانا مسعود عالم ندوی رحمۃ اللہ علیہم سمیت بیشتر اصحاب علم کے تراجم کتاب میں موجود ہیں۔

تاریخ اہل حدیث جیسی مفصل، مدلل، قوی ومضبوط براہین پر مشتمل مواد کی تردید اور اس کی وقعت کو جھٹلانا اب کسی کے بس کی بات نہیں۔ مسلک اہل حدیث کے فکر، مسلک اہل حدیث کی دعوت اور اس کی ایک عظیم تاریخ ایک چڑھتے سورج کی طرح ہے کہ ظلمت کی وادی میں شمع رسالت ﷺ کے پروانوں کی تاریخ روشنی کا استعارہ بن کر صاحبان مطالعہ اور خواندگان گرامی کے لیے ایک عظیم تحفے سے کم نہیں۔ پہلی جلد پاکستان میں چھپ چکی ہے اس کا قیمتی ومدلل مواد دیگر جلدوں تک رسائی کے لیے اشتہا کو بڑھائے گا۔ بہترین کمپوزنگ اور اعلیٰ کاغذ کے ساتھ مضبوط جلد زائد خصوصیات ہیں۔

عرضِ ناشر، حرفِ چند حافظ عبدالستار الحماد، پیش لفظ حافظ صلاح الدین یوسف اور مقدمہ اصغر علی امام مہدی سلفی (دہلی)، نے تحریر فرمایا ہے۔ اس پر بہترین تاثرات مرحوم ڈاکٹر مقتدیٰ حسن ازہری کے ہیں۔

دعا ہے اللہ کریم مرتب، ناشر، معاونین کی محنتیں قبول فرمائے۔ ''تاریخ اہل حدیث'' کو قبولِ عام فرمائے، آمین یا رب العالمین۔



جناب بشیر انصاری کو صدمہ

ہفت روزہ ''اہل حدیث'' لاہور کے چیف ایڈیٹر جناب بشیر احمد انصاری کی اہلیہ محترمہ گزشتہ دنوں وفات پاگئیں۔

إنا لله وإنا إليه راجعون.

مرحومہ کی وفات ان کے خاندان کے لیے ایک بڑے صدمے سے کم نہیں۔ اللہ کریم سے دعا ہے کہ مرحومہ کو کروٹ کروٹ جنت الفردوس نصیب کرے اور لواحقین کو صبر جمیل سے نوازے، آمین۔

(ادارہ الاعتصام)

الاعتصام

ایک علمی، اصلاحی اور دعوتی جریدہ ہے، اس کے فروغ اور توسیع اشاعت میں بھرپور حصہ لیں۔ اس سے مالی تعاون کرنا آپ کا اخلاقی فریضہ ہے۔ (ادارہ)

ضروری اعلان

ہفت روزہ ''الاعتصام'' لاہور میں مضامین ارسال کرنے والے خواتین وحضرات درج ذیل باتوں کا ضرور خیال فرمایا کریں:

- مضمون کاغذ کی ایک طرف لکھا ہو، صاف ستھرا اور حاشیہ چھوڑ کر لکھیں۔
- مضمون مدلل، باحوالہ، آیت، حدیث اور کتب کے نام وصفحہ نمبر مکمل تحریر فرمائیں۔
- جلسوں، کانفرنسوں کے اشتہارات یا اعلانات بھیجنے والے احباب اس کا اعلان جلسہ یا کانفرنس کے انعقاد سے پندرہ دن پہلے ارسال کردیا کریں، نیز ان جلسوں یا تقاریب کی رپورٹ وغیرہ شائع کرنے سے ادارہ قاصر ہے۔
- مضمون ارسال کرنے والے شائع ہونے کے لیے اپنی باری کا انتظار کیا کریں نیز غیر معیاری مضامین کی اشاعت سے ادارہ معذرت خواہ ہے۔ امید ہے قارئین دفتر الاعتصام سے تعاون کریں گے۔ (منیجر)

نعت

جاؤ طیبہ میں تو خط نام ہمارے لکھنا
کیسے ہیں شہر محمدؐ کے نظارے لکھنا

بحر ذخار کی موجوں کا تھا منظر کیسا
کشتی جاں جو لگے جا کے کنارے لکھنا

جو ہو کیفیت دل لکھ نہ سکو گے شاید
کچھ نہ کچھ پھر بھی عقیدت کے سہارے لکھنا

آبِ زمزم کا زہے تجھ کو ملے جام صفا
سرد ہوں آتشِ غم کے جو شرارے لکھنا

کرنا مکتوب میں حجاج کا بھی ذکر ضرور
جو بھی موضوعِ خیالات ہوں سارے لکھنا

بھول کر گھر کو سر شہر رسولؐ اکرم
کیسے کٹتے ہیں شب و روز تمہارے لکھنا

روضۂ پاک پہ ہنگامِ دعا اے راسخ
کس طرح بنتے ہیں اشکوں کے ستارے لکھنا

(راسخ عرفانی)